
KHAKI

آمرت پان

یعنی

عبرت انگیز ناٹک

مصنفہ

لالہ خوشحال چند خورسند ایڈیٹر آریہ گزٹ لاہور

جسے

لالہ سنت رام پرتھوی راج ساہنی تاجران کتب بازار [illegible]

لاہور نے

[illegible] آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور میں

باہتمام لالہ گوبند رام مل پرنٹر چھپوایا



بار دوم   تعداد ۱۰۰۰   قیمت ۸/

اوم

پریم آہوتی

میں ننھا سا بچہ ہی تھا۔ تو ماتا جی مجھے بتلا کرتی ہیں۔ کہ جو بھی سادھو ہمارے محلہ میں آتا تھا تو میں اس کے پیچھے ہو لیتا تھا۔ اس سے پریم کرتا تھا۔ اور جبتک وہ زبردستی آنکھوں سے اوجل نہ ہو جائے۔ تب تک اوس کا دامن پکڑے رہتا تھا۔

بڑا ہوا تو بھی ایشور بھگتوں سے ہی ست سنگ کا شوق رہا دن بھر سماج مندر میں ہی پڑا رہتا جب اپدیشک سنیاسی آجاتے تو پھر گھر بالکل بھول جاتا۔ ایک دفعہ مہاتما ہنسراج جی میرے وطن میں آئے تھے۔ میں دن بھر گھر نہیں گیا۔ انہیں کے سندر اپدیش سنتا رہا۔ پتا جی جب اکیلے گھر پہنچے تو ماتا جی نے پوچھا۔ خوشحال کہاں ہے؟ پتا جی نے کہا "اسے سماج پر چڑھا آئے ہیں"۔ ماتا جی نے سمجھا جس طرح مندروں پر لڑکوں کی بھینٹ دیجاتی ہے ویسے ہی مجھے بھی چڑھا دیا گیا ہے۔ یہ تو ہنسی کی باتیں تھیں۔ لیکن میں نے پتا جی کے قول کو پورا کرنیکا فیصلہ کر لیا۔ تب سے پربھو بھگتوں کے اندر اور بھی شردھا بڑھ گئی۔

پربھو چرنن کے اندر جن بھگتوں کا چت چکور بنا ہوا ہے۔ جو اپنے سامنے سنہری اور روپہری ٹھیکریوں کے انباروں کا لکھشں نہیں رکھتے۔ بلکہ ان سے اوپر پرم پرش آنند سے پربھو کی بھگتی میں مست رہتے ہیں۔ جو میرے پیارے اوم کے پریوار کی سیوا میں ہر طرح کے دکھ اور مصائب سہتے ہیں۔ ایسے سچے بھگتوں کے چرنوں میں یہ پریم آہوتی سمرپن کرتا ہوں۔

میں چاہتا ہوں بوڑھے بچے جوان مرد عورتیں ہی اس کتاب کو پڑھیں اور اپنے اندر پربھو پریم و ایشور بھگتی کے جذبہ کو بڑھائیں۔ پربھو بھگتوں کا داس خوشحال چند خورسند۔ ایڈیٹر آریہ گزٹ لاہور

اوم

دیباچہ

از شری مہاتما ہنس راج جی پردھان ڈیانند کالج کمیٹی لاہور

یہ چھوٹی سی کتاب جس کی ضخامت سوا سو صفحہ سے کچھ زیادہ ہے۔ اپنے ڈھنگ کی ایک نرالی کتاب ہے۔ میں نے انگریزی میں تو اس قسم کی کتابیں دیکھی ہیں۔ مگر اردو میں اس قسم کی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔

اس کی خصوصیت یہ ہے کہ کسی قدرتی نظارے یا انسانی فعل کو جو اکثر ہماری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں۔ مگر جن کو ہم دیکھتے ہوئے بھی دیکھتے نہیں ہیں۔ لیکر ان سے اعلےٰ اخلاقی سبق اخذ کئے گئے ہیں۔ اور پڑھنے والے کے دل پر اس نظارہ یا فعل کے مختلف پہلوؤں کو لیکر اخلاقی زندگی کا ایک ایسا دلکش نظارہ کھینچا جاتا ہے۔ کہ انسانی آتما پر اس کا اثر لازمی ہو جاتا ہے۔

میرے خیال میں اخلاقی سبقوں اور ایشور بھگتی کو زندگی کے اندر داخل کرنے کے لئے یہ ایک بہت سندر طریقہ ہے۔

سادھک بھائی اس کتاب کے پاٹھ سے نہ صرف اپنے اخلاقی جیون

کو خوش کر سکتے ہیں۔ بلکہ اپنے سماجک بھاوؤں کو بھی بڑھا سکتے ہیں۔
اس کتاب میں بعض وچار اس قسم کے پیش کیے گئے ہیں۔ جن کی آریہ سماج کو بہت ہی زیادہ ضرورت ہے۔

عبارت کی رنگینی اور خوبی کے متعلق میں زیادہ نہیں لکھنا چاہتا کیونکہ آریہ گزٹ کے ناظرین لالہ خوشحال چند جی خورسند کی تحریر سے بخوبی واقف ہیں۔

میں نے آریہ گزٹ کے کالموں میں اس قسم کی سبق آموز کہانیاں پڑھکر لالہ خوشحال چند کو تحریک کی تھی کہ وہ اپنی اس قسم کی تحریروں کو کتابی شکل میں شائع کر دیں۔ اور انہوں نے اس نصیحت پر سب کی بھلائی کے لئے عمل کیا ہے۔ یہ کتاب ان کی کوشش کا نیک نتیجہ ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ پبلک ان کی قدردانی فرمائے گی۔

ہنس راج

(۱)

ریگستان کی جھاڑی

نوکیلی کیلی جھاڑی تھی۔ ننھے ننھے پتے تھے جو اس کا زیور تھے۔ کانٹے تھے اور سرخ و سبز چھوٹے چھوٹے پھل تھے۔ یہ ایک جھاڑی تھی اور اسکے چاروں طرف ریگستان تھا جس پر گھاس کا ایک تنکا بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ سنسان ریگستان میں تنہائی و یکتائی سے اکتا کر جھاڑی نے سرد آہ کھینچی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ٹہنیاں ہلیں اور شبنم کے قطرے نیچے گر پڑے۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
نہ جانے ہمیں بیٹھے بیٹھے کیا یاد آیا

جھاڑی مضطربانہ حالت میں چلائی، پکاری اور فریاد کرنے لگی۔ آہ! اس دنیا میں مجھ سا بھی کوئی کمبخت ہوگا۔ میرے اوپر آفتاب کے آتشی ترکش غضب کے چلتے ہیں میرے گرد ہوا تند اور آتشکدہ کی گرمی سے بڑھ کر گرم چلتی ہے میرے نیچے ریگستان ہے۔ جو بنجر ہے اور ریت کے بغیر گھاس کی ایک پتی بھی نظر نہیں آتی اسے کاش میں بھی بادشاہ کے باغیچہ میں ہوتی۔ تو جیسا کہ میں نے اکثر ہوا سے آتے جاتے سنا ہے۔ جب وہاں سرد جامہ پہنایا جاتا ہے خوبصورت پھول اس کے اندر کچھ بھر دیتے ہیں جس سے وہ خوشبودار ہو جاتی ہے۔ آہا ایسا ٹھنڈا جامہ پہنے اور معطر ہوا کھینچنے میرا تو جی ترس گیا۔ ہائے اس دن ہوا کیسی جھوم جھوم کر باغیچہ کی سبز سبز گھاس، پھولوں کی ننھی ننھی کیاریوں کانٹ چھانٹ، روشوں، چشمہ میں بار بار غسل کرنے والے بوٹوں کی یاد کرتی تھی۔ اُف! ان کی فرقت میں ہوا کو تپ چڑھ گیا۔ وہ اتنی گرم ہوگئی کہ میری پتیاں بھی جھلس گئیں

آہ! اگر میں باغیچہ میں ہوتی۔ تو اُن کی صحبت سے کیوں نہ لطف اُٹھاتی۔ اگر میں وہاں ہوتی۔ تو میرا بھی غرور برداشت ہو سکتی۔ مجھے بھی اُمید ہوتی کہ آخر میں بھی کسی مصرف کی ہوں۔ اے کاش میں سرو یا شاہ بلوط کی طرح خوبصورت اور شاندار ہوتی۔ یا میں لوگوں کو شفا دینے والی کوئی جڑی بوٹی ہی ہوتی۔ یا میں ایک گندم کا دانہ ہی ہوتی جس سے لوگوں کو کچھ سیری تو ہوتی۔ لیکن افسوس میں اُن میں سے کچھ بھی نہیں ہوں میں ایک کانٹے دار جھاڑی ہوں۔ اور وہ بھی ریگستان کی جھاڑی ہوں۔ جہاں اتنا بھی نہیں کہ چہچہاتے پرندے ہر روز میرے پاس آئیں۔ اور یہاں اپنا آشیاں بنائیں۔

اے ریت کے ننھے ننھے ذرو! اے رات کو چمکنے والے خوبصورت ستارو! میرا یہ دکھ درد۔ میرا یہ رنج والم تم نے سن لیا۔ میری بدبختی تم کو معلوم ہوئی۔"

جھاڑی نے یہ کہا اور ایک سرد آہ کھینچی۔ وہ اُداس ہو گئی۔ اُسکے پتے جھک گئے۔ ٹہنیاں زمین کو لگ گئیں۔ اور جھاڑی حیرت زدہ کبھی زمین کی طرف کبھی آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

اب صبح نمودار ہو چکی تھی۔ ستارے غائب ہو چکے تھے۔ لیکن جھاڑی کی اُداسی بدستور موجود تھی۔ قریب کے باغ سے اُسے پرندوں کے چہچہے کی آواز سنائی دی۔ اس پر اُس کی آنکھوں سے شبنم ایسے موتی گرے۔ اور ٹہنیوں سے سر بلند کر کے جدھر سے آواز آتی تھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

ہوا کے خوشگوار جھونکے آ رہے تھے۔ اتنے میں ایک خوبصورت چمکیلے پروں والا پرندہ گرتا پڑتا اُس جھاڑی کے قریب پہنچا۔ جھاڑی نے اُسے کہا نادان! یہاں کیا لینے آیا ہے۔

پرندہ "مجھے یہاں وہ چیز ملیگی۔ جو باغیچہ سے حاصل نہیں ہو سکی۔"

جھاڑی۔ یہ سنکر ہنسی۔ اور کہنے لگی۔ کیا کانٹے؟

پرندہ۔ کانٹے تو وہاں بھی پھولوں کے درختوں کے ساتھ ہیں۔ لیکن جیسے میں چاہتا ہوں ویسے نہیں۔

جھاڑی۔ تم کیسے چاہتے ہو؟ اس کے جواب میں پرندہ اُڑا اور جھاڑی کے اوپر بیٹھ کر اس نے اپنے پر پھیلا دیئے۔ ان پروں کو کسی بے رحم شکاری نے باندھ رکھا تھا۔ پرندے نے پر کی گرہوں کو جھاڑی میں اٹکایا اور ان گرہوں کو توڑ ڈالا۔ جھاڑی نے سارا تماشا دیکھا لیکن کچھ بول نہ سکی۔

پرندہ۔ نے کہا۔ دیکھ لیا مجھے کیا ملا۔

جھاڑی۔ نہیں۔

پرندہ۔ مجھے وہ ملا جو تم سے ہی مل سکتا تھا۔

جھاڑی۔ وہ کیا؟

پرندہ۔ میری پیاری جھاڑی! وہ آزادی ہے۔ مجھے جکڑ دیا گیا تھا میرے پر رسیوں سے باندھے گئے تھے ان رسیوں کو نہ پھول توڑ سکتے تھے۔ نہ سبز گھاس کے تنکے۔ نہ چشمے میں اپنی ہی شکل بار بار دیکھنے والے خوشنما بوٹے مجھے تم سے وہ چیز ملی ہے جس کے عوض میں مجھے کل باغوں سارے گلزاروں تمام غزاروں کی شہنشاہی بھی ہیچ معلوم ہوتی ہے۔

جھاڑی۔ کیا سچ مچ میں ایسی ہی مفید چیز ہوں۔ کہ آزادی دلا سکتی ہوں۔

پرندہ۔ ہاں! ہاں! تمہاری ہستی میرے ایسے قیدیوں کے لئے بڑی مفید ہے۔ میں نے تمہاری طرح کئی انسانوں کو بھی اسی طرح غمگین دیکھا ہے۔ میں نے اپنے چہچہوں سے انہیں بار بار سمجھایا۔ کہ دنیا کے اندر ایک ایک کی ہستی نہایت قیمتی ہے لیکن بعض انسان کچھ عجب مٹی کے بنے ہوتے ہیں۔ وہ نہ اپنی قدر جانتے ہیں۔ نہ دوسرے کی قیمت پہچانتے ہیں۔

جھاڑی۔ میری زندگی اب سپھل ہو گئی۔ میں نے ایک کو تو آزاد کرا دیا۔ میرے دل سے غم کا بوجھ اب اتر گیا ہے۔ میں اب اپنے پاس سے گذرنے والوں کو یہی کہا کروں گی۔ کہ خود گناہوں سے آزاد ہو۔ دوسروں کو آزاد کراؤ۔

(۲) خاموش چشمہ

تنہا کہوں کیا! کیوں میرے اس دل کو لگی چپ
خاموش میری جان کہ ہے سب سے بھلی چپ

اچھابل[1] کے شور و غل مچاتے ہوئے چشموں کو چھوڑ کر میں آگے بڑھا۔ جس راستہ پر میرا قدم پڑا۔ کشتواڑ کو جاتا ہے۔ قریباً ایک میل کی دوری پر پہنچ کر میں نے راستہ چھوڑ دیا۔ دائیں گھنا جنگل ہے۔ پہاڑ ہے۔ اور سبزہ زار ہے پہاڑ سبز پوشاک پہنے نظر آتا ہے۔ اور دیودار کے خوبصورت تنومند درخت اس کی نگہبانی کرتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں۔ میں سمجھا یہ سبز کپڑوں سے ملبوس پہاڑ کسی کی مزار ہے۔ اور یہ سارے کے سارے درخت اس کے مجاور ہیں۔

میں اس گھنے جنگل میں گھس گیا۔ ہوا بند تھی۔ درختوں کی سرسراہٹ کی آواز کانوں میں نہیں آتی تھی۔ کسی پرندے کی صدا بھی سنائی نہیں دی۔ کچھ چڑھائی پر چڑھ کر پھر نیچے اُترا۔ یہاں ایک تنہا سا خوبصورت خاموش چشمہ تھا۔ ہوا خاموش تھی۔ پرندے خاموش تھے۔ درخت خاموش تھے چشمہ بھی خاموش تھا۔ اور میں پہلے ہی خاموش تھا۔ خاموشی کے اس عالم میں مجھے سردی محسوس ہونے لگی۔ میں نے چشمہ میں ہاتھ ڈالا وہ اور بھی سرد تھا۔ یہ کیوں ایسا خاموش ہے؟ یہ ایسے خاموشی کے عالم میں کیوں رہتا ہے؟ یہ سوال میرے خاموش دل میں پیدا ہوئے۔ میں نے دائیں دیکھا اور بائیں اوپر دیکھا اور نیچے۔ لیکن نہ ہوا چلی جو چشمے کے جذبات کی ترجمانی کرتی۔ نہ درخت

---

[1] یہ اننت ناگ (کشمیر) سے ایک بڑا اور بہت خوبصورت چشمہ ہے۔

ملے۔ جو چشمے کے دل کا راز بتلاتے۔ نہ پرندوں نے سیٹیاں بجائیں۔ جو چشمے کی وکالت کا حق ادا کرتے۔ اب چشمے پر میری ٹکٹکی بندھ گئی۔ ننھے ننھے خوبصورت بلبلے زمین سے اٹھکر سطح آب پر آتے تھے۔ اور معدوم ہو جاتے تھے۔ کیا یہ میرے سوال کا جواب دیتے ہیں؟ ممکن ہے ایسا ہو لیکن یہ خاموش کیوں رہتے ہیں۔ کیا ان کے لبوں پر بھی قفل خاموشی لگا ہوا ہے۔

ننھے ننھے بلبلوں کا یہ سلسلہ برابر جاری تھا۔ لیکن ان سے کوئی صدا برآمد نہیں ہوتی تھی۔ اس عالم خموشی کو دیکھکر میرے خاموش دل میں اب لہریں اٹھنے لگیں۔ لوگ شور و غوغا ہا۔ ہو۔ اور آہ وزاری میں بیقرار ہو اٹھتے ہیں۔ لیکن اس خاموشی کے عالم میں بھی میرا دل بیقرار ہو اٹھا۔ معاً ایک شعر زبان پر آیا ؎

جنہوں کا عشق صادق ہے وہ کب فریاد کرتے ہیں   لبوں پر مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

ہاں یہ ننھے ننھے بلبلے اس بات کا ثبوت ہیں کہ چشمہ کے دل کے اندر کوئی عمل جاری ہے۔ اب سوال کا پردہ کچھ ہلنے لگا جس طرح سوال دل کے اندر آیا تھا ایسے ہی جواب بھی آنے لگا۔ خاموش چشمے کے جذبات کی ترجمانی کرنے سے اگر سامنے جنگلی دوستوں کو ناقابل پاکر میں نے خود ہی مختار نامہ لیا۔ چشمے کی بھولی بھالی خوبصورت خاموش شکل دیکھکے مجھے بار بار کہنا پڑتا تھا۔ کہ

"خاموشی معنے دارد کہ در گفتن نے آید"

پھر کیا کچھ نہ بولوں۔ کیا "میں بھی خاموش رہوں اے کاش میرے اہل وطن چپ رہنے سے ہی کچھ سیکھ جاتے۔ لیکن یہاں تو صدیاں گذر گئیں۔ سارے خاموش پڑے ہیں۔ اور کچھ سیکھا نہیں گیا۔ ایک رشی سے کسی نے پوچھا؟ مہاراج ایشور کیا ہے؟ جواب "خاموشی" تھا۔ پھر یہی سوال دہرایا گیا۔ اب بھی چپ تھی۔ ایک اور

بار بار یہ سوال دریافت کیا گیا۔ پھر بھی جواب یہی تھا۔ سوال کرنے والا اب سمجھ گیا اُسے سوال کا جواب مل گیا۔ اُسے وید کی شرتی یاد آگئی۔ کہ وہاں بانی نہیں پہنچ سکتی وہ بانی سے باہر ہے۔ جو بانی سے باہر ہو اسکا کتھن یہ بانی کس طرح کر سکے۔

لیکن میرا بیقرار دل خاموش چشمے کی داستان سنائے بغیر نہیں رہیگا۔

"میں خاموش ہوں"۔ خاموش چشمے کی خاموش روانی نے خاموشی سے دل کو کہا۔

ہاں میں خاموش ہوں۔ دنیا کے شور و غل کو دیکھکر دنیا کے ہاءِ ہُو۔ آہ و بکا اور زاری و غوغا کو دیکھکر اور سُنکر۔ شہروں میں شور ہے قصبوں میں شور ہے دیہاتوں میں غوغا ہے۔ سبھی گنجان آبادیوں میں شور سے کان پھٹے جاتے ہیں بیقرار دلکو قرار لینے کے لئے کوئی جگہ نہیں ہی۔ شہروں سے دور سر بفلک پہاڑوں کے پار خوبصورت مرغزاروں اور گلمرگوں میں دل کش سندر بنوں کے اندر آنے والے لوگوں کو اگر اس جگہ بھی قرار نہ ملے تو پھر وہ کہاں جائیں۔ میں دنیا کے غوغا کو بڑھانا نہیں چاہتا۔ میں خاموش رہتا ہوں۔ تاکہ لوگ اسجگہ آکر خاموشی سے آرام پا سکیں۔

میں خاموش ہوں اور ایک آواز تک بلند نہیں کرتا۔ مبادا میری آواز سے کسی رشی کی تپسیا میں وگھن نہ پڑ جائے۔ جانتے ہو لوگ مجھے کیا پکارتے ہیں؟ لوگ مجھے "سوامی جی کا چشمہ" کہتے ہیں۔ اس جگہ ایک یوگی آکر ٹھہرا تھا۔ اُسی نے میری پرورش کر کے چھوٹے سے بڑا بنایا۔ تو کیا اب میں بیوفا ہو جاؤں۔ کیا اس سوامی کے دل کی ترجمانی نہ کروں۔ اس کا دل بھی میری طرح خاموش ہے۔ شانت ہے اور گمبھیر ہے۔ لیکن وہ لوگوں کا بھلا بھی کرتا ہے۔ اس میں میں بھی اس کے نقش قدم پر چلتا ہوں۔ جا دیکھ ذرا نیچے اُتر جا تجھے لہلہاتی کھیتیاں ملیں گی تجھے سرسبز کھیت نظر آئینگے۔ تجھے زمیندار دکھائی دیں گے۔ جوان سرسبز کھیتوں میں خوشی کے ترانے گا رہے ہوں گے۔ وہاں میں بھی

خاموش نہیں رہا جب ایک کھیت سے دوسرے کھیت میں جاتا ہوں تو
الوداع کا گیت بڑی خوشی سے گاتا ہوں۔ دوسرے کھیت میں جاکر نئی دوستی
اور نئے ملاپ کی راگنی چھیڑتا ہوں بسا اوقات کسان کے ترانے کے ساتھ اپنی
سُر ملا دیتا ہوں۔ اور اس کی شادمانی کو دوبالا کر دیتا ہوں۔

کھیتوں کی اس طرح سیرابی کا سلسلہ دور تک جاری ہوتا ہے۔ زمیندار
اور کسان مجھے اکثر مہینوں اپنے وہاں کے کھیتوں میں بند رکھتے ہیں لیکن
میرے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی۔ جب ان کھیتوں سے مجھے چھٹکارا
ملتا ہے۔ تو میں اور آگے بڑھتا ہوں۔ اب میرا کام قریباً ختم ہو چکتا ہے
اسی وقت میرے سامنے مجھے میرا دوست میرا حبیب دکھلائی دیتا ہے۔ اور
میں بشاشت سے اشانت ہو جاتا ہوں۔ خاموشی ٹوٹ جاتی ہے۔ میں نغمہ شور میں
پکار اُٹھتا ہوں۔ اور اچھلتا ہوا اپنے حبیب کی چھاتی سے جا لپٹتا ہوں۔

سُنا میں کیوں خاموش ہوں۔ میں اس لئے خاموش ہوں تاکہ
میں اپنا یہ سارا کام چپ چاپ کرتا جاؤں۔ میرے بنانے والے نے مجھے
یہی سکھلایا ہے۔ جب زمین پر میں بہتا ہوں۔ جس ملک میں میں خاموشی
سے رواں ہوں۔ اس ملک کے لوگ بھی۔ اگر خاموشی سے اس طرح اپنی زندگیاں
گذار سکیں۔ اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کی شادمانی کے لئے۔ دوسروں
کے فائدہ کے لئے۔ دوسروں کے آرام کے لئے قربانی کر سکیں۔ تو کیا جس
طرح سے میں کھیتوں کو سرسبز کر دیتا ہوں اور اس کے مالکوں کو خوشی کے
گیت گانے پر مجبور کر دیتا ہوں کیا وہ لوگ بھی اپنے ملک کو اسی طرح اپنی خاموش
قربانیوں سے سرسبز بنا کر اس کے مالک کو یعنی اپنے آپ کو
شادماں نہیں بنا سکتے ؟ ۔

میری آنکھیں ٹکٹکی لگائے چشمہ کی خاموش روانی کو دیکھ رہی تھیں۔ اور کان اس سرمن کو سُن رہے تھے۔ میرے دِل نے کہا۔ خاموش چشمے کا خاموش قربانی کے لئے خاموش سرمن کتنا صداقت سے پُر ہے۔ کیا کوئی بھی میرا اہل وطن اس خاموش چشمے سے سبق سیکھ سکیگا؟

کون کہہ سکتا ہے؟ ہاں دل کی دھڑکن یہ مجھے بار بار کیا تار سُنا رہی ہے۔ کہتی ہے۔ کہ

تو خود اس سے سبق سیکھ!!!

---

(۳)

بیقرار چشمہ

اونچے پہاڑ سے گھنے درختوں میں سے رم جھم۔ رم جھم۔ کرتا چشمہ بہ رہا تھا۔ وہ اچھلتا تھا۔ کودتا تھا۔ میں نے جانا وہ خوشی مناتا ہے۔ درختوں کی ٹہنیوں کو پکڑتا ہوا تند ار پتھروں پر سر ٹکاتا میں اس کے پاس پہنچا۔ اُف! کیسی عجیب آواز ہے۔ یہ پہاڑ کی کال کوٹھڑی میں سے نکل رہا ہے۔ دیر تک اس کی حرکات دیکھتا رہا۔ ایک جگہ سے نہیں۔ کئی مقامات سے وہ پھوٹ پھوٹ کر نکلا ہے۔ اور پتھروں کو چیرتا زمین کو پرے ہٹاتا۔ پھر مل کر ایک ہو گیا ہے۔ میں محو حیرت تھا۔ میرا دل اس کے جذبات سے واقف ہونے کے لئے بے قرار ہو گیا۔ نہ معلوم اسی طرح بیٹھے بیٹھے کتنا وقت گذر گیا۔ آخر چشمے کی روانی کی صدا کے ساتھ میری بھی صدا نکلی اور ایک ہو گئی۔ کیا جانے کیا آواز آئی۔ میرے کانوں نے کچھ نہ سنا۔ اگر کچھ سُنا تو سمجھنے والا کچھ نہ سمجھا۔ میں پھر حیرت زدہ آنکھوں سے چشمے کی طرف دیکھا۔ مجھے معلوم ہوا۔ وہ خوشی سے اچھل نہیں رہا۔ اس کی روانی میں انبساط نہیں۔ اس کی چال میں شوخی تو ہے لیکن شادمانی نہیں۔ اب میں نے جانا "وہ بیقرار ہے"

ایک بات جاننے سے اور اُلجھن بڑھی۔ ایک بات جان کر میں نے جانا کہ میں نے کچھ نہ جانا۔ یہ کیوں بیقرار ہے؟ کس کے لئے بیقرار ہے۔ وہ کون ہے۔ اور کہاں ہے جس کے لئے بیقرار ہو کر سنگین قید خانہ کو توڑ کر یا سطح تیزی کے ساتھ پتھروں سے سر ٹکراتا۔ زمین پر لوٹتا جھاڑیوں میں اُلجھ کر

پار ہوتا، اچھلتا کودتا جا رہا ہے۔

میرا دل اور بے قرار ہو گیا۔ بے قراری نے بدن کے کپڑے اُتروا دیئے؟ سوال کا جواب پانے کے لئے میں چشمے میں کود پڑا۔ چشمے سے مصافحہ کیا۔ چشمہ سرد ہے۔ کیوں سرد ہے؟ ایک اور الجھن بڑھ گئی کیا وہ گرم ہونے کے لئے بیقرار ہے۔ کیا اسی لئے دوڑ دھوپ میں مشغول ہے۔ کون جانتا ہے۔ اس کا راز کیا ہے؟ لیکن یہ سرد کیوں ہے؟ میں نے بار بار اس سرد چشمہ میں غوطہ زنی کی۔ لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا حیران و ششدر میں سرد چشمے میں کھڑا ہو گیا۔ پہاڑیں سے عجیب سریں نکالتے ہوئے چشمہ کی آواز پر میرے کان لگ گئے۔ ان سروں میں سے مہین باریک آوازیں آنے لگیں "میں سرد ہوں۔ اس لئے کہ مدت سے ان سنگین پہاڑی جیلخانہ میں مقید تھا۔ مدت سے اس کے اندر جدوجہد کر رہا تھا۔ لیکن کہیں سے بھی باہر نکلنے کو راستہ نہیں ملتا تھا۔ میرے راستے میں پتھروں کے پہریدار تھے۔ نوکیلے کٹیلے پتھر ننگی تلوار سے پہرا دیتے تھے۔ چکنی مٹی کی زنجیروں نے میرے ہاتھ پاؤں جکڑ رکھے تھے۔ اور مجھے بہت کم حرکت کی بھی اجازت نہیں ملتی تھی۔ لیکن میرا دل مردہ نہیں ہوا۔ وہ بے حس نہیں ہو گیا تھا۔ اگرچہ میں دن بدن سرد ہو رہا تھا۔ تاہم میرے دل میں گرمی تھی۔ میں اپنے پہریداروں سے برابر جھگڑتا تھا۔ ان سے اکثر جنگ بھی کرتا تھا جب تھک جاتا تھا۔ تو ان کی نظر بچا کر ایک طرف سے ہو کر نکل جانے کی کوشش کرتا۔ لیکن مجھے کہیں سے بھی روشنی نظر نہ آتی تھی۔ میں مدتوں اندھیرے میں اسی طرح سر ٹپکتا رہا۔ کبھی لڑھک کے ادھر جاتا کبھی ادھر جاتا تھا۔ آخر میرے صبر کی انتہا نہ رہی میں بے قرار ہوا اٹھا میں نے جان ہتھیلی پر رکھی۔ اور ایک ایک بار اسی پتھر سے جو

اس وقت تیرے پاؤں کے نیچے پڑا ہے چھٹکارا حاصل کرکے نکل آیا۔ میرا چہرہ اس وقت لال تھا۔ روشنی نے اور لال کردیا۔ میں نے باہر نکلکر روشنی تو دیکھی لیکن ہائے! جس کے لئے بیقرار تھا۔ اُسے موجود نہ پایا۔ مدتوں قید سنگین میں مصائب جھیلنے کے بعد جب رہائی بھی ملی۔ تو افسوس جس کے لئے سر گرم یا جدوجہد کی وہ پھر بھی نہ ملا۔ جانتے ہو میری مایوسی کا اسوقت کیا عالم ہوا ہوگا میری کمر ٹوٹ گئی۔ میرا حوصلہ جاتا رہا۔ میرا دل بیٹھ گیا۔ میں آس پاس کی زمین میں چھپ چھپا کر مایوس ہو کر بیٹھ رہا۔ لیکن میری بے قراری اور بڑھ گئی۔ میرا اضطراب زیادہ عود کر آیا آہستہ آہستہ میری مایوسی کم ہونے لگی۔ میں نے ادھر اُدھر سرکنا شروع کیا۔ ذرا اور آگے اس اونچی جھاڑی کے پار پہنچکر میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ میری نگاہوں نے کیا دیکھا؟ وہی جس کی مجھے چاہ تھی۔ جس کیلئے میں بیقرار تھا۔ لیکن اس کے اور میرے درمیان . . . .

"بے تابی اور بے قراری کے باعث میں بول اٹھا۔ اور وہ کیا تھا؟ جسکو تم نے دیکھا"

چشمہ کی سریلی آواز نے پھر بتلانا شروع کیا۔ "سنو سنو! سب کچھ بتلائے دیتا ہوں ہاں اسکے اور میرے درمیان بڑا فاصلہ تھا۔ راستے میں سر بفلک درخت تھے بڑے بڑے ہزار ہا منوں وزنی پتھر تھے مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ سنگین قلعہ کے باہر بھی پہرہ ہے۔ اس قید خانہ کے باہر بھی راہزنوں کی کمی نہیں۔

اب میں اور بھی بیقرار ہو گیا۔ پیارے پریتم کو آنکھوں سے دیکھکر کیا اس سے دور ہوں۔ ہائے ایسا پتھر دل کہاں سے لاؤں؟ میں نے آگا دیکھا نہ پیچھا۔ دوڑا۔ اور سرپٹ دوڑا۔ کچھ دُور دوڑ کر میں تھک گیا۔ میں نے آخر جان کو ہتھیلی پر رکھکر پیارے پریتم کی گود میں کود پڑنے کی ٹھان

لی۔ وہ سامنے۔ وہ ذرا دوری پر! دیکھتے ہو کیا ہو رہا ہے۔ لوگ اسے واٹر فال کہتے ہیں۔ لیکن ان دنیا والوں کو کیا معلوم؟ یہ فال (گراوٹ) نہیں۔ بلکہ ملاپ ہے۔ کیا پریتم کی گود میں کودنا گراوٹ ہے۔ اگر گراوٹ اسی کا نام ہے۔ تو میں ہزار بار کروں گا۔ خیر میں میں کود پڑا۔ اور اب میں اپنے پریتم ولستا کی لہروں پر پیار سے محبت سے لپٹا ہوا کودتا اچھلتا مست پڑا ہوا آنند سے ہو رہا ہوں۔"

اتنا کہکر چشمہ خاموش ہو گیا۔ اس کی سریلی سُریں ویسی ہی تھیں لیکن اب ان میں سے کوئی آواز نہیں آتی تھی۔ سرد پانی نے میرے جسم کو سرد کر دیا تھا میں ٹھٹھر رہا تھا۔ میں نے باہر نکلکر کپڑے پہنے۔ چشمے کی طرف سے میری بیقراری جاتی رہی اس کی داستان نے میری بیتابی مٹادی۔ لیکن اس عجیب غریب داستان نے میرے دل پر ایک اور زبردست اثر کیا۔ میں پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ میرے دونوں ہاتھ اکٹھے ہو گئے۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ میرے دل میں میٹھا میٹھا درد ہونے لگا بند ہوئی ہوئی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ منہ اب کھل گیا۔ اور اس کے اندر سے پکار نکلی۔ "کیوں پرم آنند! کیوں ہم تجھ پر بھو! ہم کب تیرے وصل کیلئے اس طرح بیقرار ہونگے۔ کب دنیا کے پاپوں کے سنگین قیدخانے سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ نانک تو نے ہم کو روشنی تک پہنچا دیا۔ لیکن ہائے! دُور سے تیری مقدس اور پیاری آواز سنکر بھی ہمارے دل ملاپ کے لئے کیوں اچھل نہیں پڑتے۔ کیوں دنیوی تعصبوں کے پیچھے اور دنیوی آراموں کے شاندار درخت ہمیں تجھ تک آنے سے روکتے ہیں۔ کب ہم ان کو پرے ہٹا کر تیری گود میں کود پڑینگے۔ پریتم! بیقرار چشمے نے تو اب دل کو بے قرار کر دیا ہے!!!

لہلہاتے کھیت کا ہندوستان

کشمیر کے اندر ایک خطۂ دلچسپ "اچھے بل" ہے۔ ہم اسکو چھوڑ کر گگرناگ کی طرف "ہندوستان ہمارا" گیت گاتا ہوا جا رہا تھا۔ "اچھے بل" سے ایک میل کے فاصلہ پر دور گاؤں سے کچھ ہی دور ہوا کے خوشگوار جھونکے تیزی سے شروع ہو گئے۔ میں کچھ اونچائی پر تھا۔ سامنے میلوں تک سبز اور کالے دھانوں کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ بادِ نسیم کے جھونکے رک رک کر آتے تھے۔ اور وہاں کے کھیتوں کے ساتھ عجیب چھیڑ خانی کرتے ہوئے آگے چلے جاتے تھے۔

صبح نمودار ہو چکی تھی۔ سورج کی کرنوں نے آس پاس کی پہاڑیوں کی چوٹیوں اور بلند درختوں پر سنہری گلکاری کر دی تھی۔ بادلوں کے پھٹے پھٹے ٹکڑوں سے کبھی کبھی ایک آدھ بوند گر پڑتی تھی۔ بادِ خنک کے جھونکے ننھی ننھی پھوار خوبصورت پہاڑی منظر، میلوں تک لہلہاتے دھانوں کے کھیت اور ان کھیتوں میں سبز و سیاہ لہروں کا اٹھنا یہ سب کچھ مجھ ایسے خشک انسان کو بھی بے خود بنائے بغیر نہ رہے۔

میرے دھیمے گیت کی سُر اور بھی تیز ہو گئی۔ اچانک دھان کے کھیتوں میں سے ایک حیرت انگیز منظر میری آنکھوں کے سامنے آیا۔

یہ دھان کے لہلہاتے کھیت کا ہندوستان تھا۔ "زمیندار کو زمین ہی اتنی ملی تھی۔ یا اس کے حصہ میں ٹکڑہ ہی اتنا آیا تھا" کیا جانے کس بات سے یہ کھیت کا ہندوستان بن گیا۔ اگر کوئی جغرافیہ کا ممتحن ہوتا۔ تو زمیندار کو نقشہ کشی میں پورے بیس کے بیس نمبر دیتا۔ ہاں ایک

نقص تھا کہ راسکماری کے نیچے لنکا کا لنگن لٹک نہیں رہا تھا۔ ہمالیہ پربت کی جگہ سیاہ دھان عجب بہار دیتا تھا۔ سارے کھیت سے کچھ ابھرا ابھرا سیاہ دھان کا سلسلہ بالکل پہاڑی سلسلہ معلوم ہوتا تھا۔ کھیت میں کہیں سبز دھان زیادہ تھا۔ کہیں سیاہ دھان کی کثرت تھی۔ یہ دونوں مل ملا کر کچھ ایسے خوبصورت نظر آتے تھے۔ کہ دل گھنٹوں انکے ملاپ کی تصویر دیکھنے کے لئے مچلا جاتا تھا۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا جو ذرا "راسکماری" کو چھو جاتا تھا۔ تو پھر سارے کا سارا کھیت موجیں مارنے لگتا تھا۔ حتےٰ کہ ہمالیہ کی چوٹیاں" اسی شان سے جھوم جاتی تھیں۔ انہیں کھیت کی لہروں میں ایک اور منظر تھا۔ اور وہ دھان کے ننھے پودوں کا ایک دوسرے کو اپنے ہمسائیوں کو اپنے رفیقوں اور ہم جلسوں کو پیار سے محبت سے اور بڑی چاہ سے مل مل کر چومنا اور بغلگیر ہونا تھا۔ بار بار وہ ایک دوسرے کو چومتے تھے اور بغلگیر ہوتے تھے۔ لیکن محبت کا جذبہ ختم ہونے پر نہیں آتا تھا وہ اور بھی اُمڈتا تھا۔ اور زیادہ جوش سے زیادہ ولولے سے اور زیادہ چاہت سے ایک دوسرے کو پیار کرتے تھے۔

اہا ہا! لہلہاتے دھان کے کھیت کا یہ ہندوستان دیکھکر میرا جی پھڑک اٹھا۔ اس کھیت کے مالک کو کیا خبر کہ جس طرز سے اس کھیت کو بنایا گیا ہے۔ وہ طرز کسی راہ گذر کے دل پر کیا اثر کریگی۔ زمیندار کو شائد اتنا بھی معلوم نہ ہو۔ کہ جو کھیت اس کا اور اس کے کنبے کا پیٹ پالتا ہے۔ یہ اس کے وطن کا ہو بہو نقشہ ہے۔ پھر بھلا وہ کسی راہ گذر کے دل کی کیفیت کا اندازہ کیسے لگا سکتا ہے۔

ہاں میرا جی پھڑک اُٹھا۔ لیکن کیا سچ مچ یہ ہندوستان کا نقشہ ہے؟ کیا وہ بھی اسی طرح سرسبز ہے۔ کیا وہ بھی ایسے ہی لہلہا رہا ہے۔ کیا اس کے اندر بھی جب ایک آواز اُٹھتی ہے۔ تو سبھی اس آواز کے ساتھ اپنی آواز ملا کر ہمالیہ کی چوٹیوں تک کو کانپنے کے لئے مجبور کر دیتے ہیں۔ کیا اس کے اندر رہنے والے ہندوستانی اسی طرح پیار و محبت الفت و چاہت سے رہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو پیار کرتے ہیں؟ کیا ہندوستان کی مختلف قومیں بھی ایسے ہی گھل مل کر رہتی ہیں۔ جیسے کھیت کے سبز و سیاہ دھان کے پودے؟

اب میرا جی بیقرار ہو اُٹھا۔ بادنسیم کے جھونکے مجھے آہیں معلوم ہونے لگیں بادل میں سے آتے ہوئے قطرے مجھے آنسوؤں کے قطرے نظر آنے لگے۔ خوبصورت پہاڑی منظر ڈراؤنا ہو گیا۔ اب معلوم ہوا کہ یہ لہلہاتا سرسبز دھان کا کھیت ہندوستان کا نقشہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے زمیندار کے ہندوستان میں اور اپنے ہندوستان میں زمین۔ آسمان کا فرق نظر آیا۔ مجھے اس کے اندر کہیں سرسبزی دکھلائی نہ دی۔ قحط زدہ علاقوں کی خشک صورت طوفان سے تباہ شدہ شہروں گاؤں وقصبوں کی نرالی تصویر وباؤں سے اُجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈر اور . . . . اور . . . . سب سے بڑھکر ایک ہندوستانی کا ٹوٹا ہوا دل جس کے اندر اپنوں کے لئے نہ پریم رہا ہے نہ الفت نہ درد رہا ہے۔ نہ چاہت دکھلائی دیا۔

میرا بیقرار دل زمیندار کے کھیت والے ہندوستان کے سامنے کھڑا ہوا ہوا ایسے ہی خیالات میں مستغرق تھا۔ کہ اچانک میرے ساتھ والے نے "آگے بڑھو۔ آگے بڑھو" کا نعرہ لگایا۔ میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اب یہ سلسلہ بدلنے لگا۔ میرا تخیل مجھے بالمیک کے زمانہ کے ہندوستان میں لیگیا جبکہ سارا

ہندوستان سرسبز تھا۔ کل ہندوستانی اُلفت ومحبت سے رہتے تھے۔ کوئی علاقہ تباہ نظر نہیں آتا تھا۔ سارے وطن کی ایک آواز تھی۔ ساتھی کا نعرہ (آگے بڑھو) میرے کانوں میں برابر گونج رہا تھا۔ اب میں ایک عجیب تذبذب کی حالت میں تھا کھیت ایسے ہی سرسبز اور الفت وبیاہت کا منظر دکھلانے والے ہندوستان کو واپس لانے کے لئے بڑھنا چاہیئے۔ یا پیچھے چلنا چاہیئے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ آگے بڑھنے سے کیا یہ مراد پوری ہو گا۔ یا پیچھے ہٹنے سے کون اس عقدہ کو کھولے؟

ہاں ایک بات ۔۔۔ سمجھ میں آئی۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ "سرسبز لہلہاتے دکھائی دینے والے ہندوستان" ایسا۔ ہندوستان کا سرسبز کھیت" تب ہی ہو گا۔ جب اس کے اندر رہنے والے لوگ اور مختلف قومیں اپنے ٹوٹے ہوئے دلوں کو پیار ومحبت سے جوڑینگی۔ اور ایک ہی رائے۔ اور ایک ہی آواز۔ ایک ہی خیال سے اس وطن میں رہینگی۔ پھر ہم کہہ سکیں گے۔

"سرسبز لہلہاتا ہوا ہندوستان کا کھیت"

(۵)

اُجڑتی ہوئی بستی

اساڑھ کا مہینہ۔ مہینہ موسلا دھار برس رہا ہے کئی روز سے سورج دکھائی نہیں دیا۔ گھنگھور گھٹاؤں نے دن کو تاریک بنا رکھا ہے تیز سرد ہوا نے انسانوں کو کاتک بنا دیا۔ خطۂ کشمیر کا وہ علاقہ جہاں پانچ مہینے برف جمی رہتی ہے۔ آج اور بھی سرد اور تاریک ہو رہا ہے ہفتہ بھر کی موسلا دھار بارش نے نالوں اور دریاؤں کو طوفان مچانے کی کھلی اجازت دیدی ہے۔ ایسے تاریک سرد اور خوفناک دن میں کون سفر کرتا ہے؟ کسے اپنی جان عزیز نہیں۔ کون سردی سے اکڑ کر بے کفن مرنا چاہتا ہے۔ لیکن میں ان دنوں سفر میں مشغول تھا۔ کشمیر کے ایک چھوٹے سے دیہات کے کچے مکان سیلاب اور طوفان کی وجہ سے یکے بعد دیگرے گر رہے تھے۔ غریب کسان اور چرواہے حسرت بھری نظروں سے اپنے ان مکانوں کو جو انہوں نے بڑی محنت جانفشانی اور کوشش سے کشمیر کی برف و باراں سے محفوظ رہنے کے لئے بنائے تھے۔ دیکھ رہے تھے۔ اسی اُجڑتی ہوئی بستی میں میں بھی اپنی جان چھپائے بیٹھا تھا۔ سامنے ایک خوبصورت مکان تھا جسکا بہت سا حصہ گر چکا تھا۔ اس کی نفیس دیوار گر رہی تھی۔

اور ناک اس دیوار کے ساتھ لپٹا کھڑا تھا اس مکان کے سامنے ہی ایک تنومند درخت تھا جس کے پتے ہوا کے تیز جھونکوں نے ایک ایک کر کے نیچے

گرا دیئے تھے۔ اور پانی کے سیلاب نے اس کی جڑوں کو ہلا دیا تھا۔ اس کی کمر جھک گئی تھی۔ اور وہ گرنے کو ہی تھا۔ سامنے والے مکان کی چیزوں کو بہتا دیکھکر کشمیری زبان میں ایک ننھی سی لڑکی نے کہا۔

"اماں! وہ میرا کھلونا گر گیا" یہ کہکر وہ رونے لگی۔ اتنے میں دڑم۔ دڑم۔ دڑم۔ کی آوازیں آئیں۔ یہ کیا ہوا۔ اُف! دوسری دیوار اور چھت بھی گر پڑے ایک بوڑھا آدمی چلایا۔ "ہائے میری کتاب"۔

کیا کشمیر کے دیہاتوں میں بھی لوگ کتاب پڑھتے ہیں۔ وہی بوڑھا چلایا "میرا قرآن"۔

مکان اسی طرح گر رہا تھا۔ لیکن تاک بدستور لپٹا کھڑا تھا۔

اب چاروں طرف سے آہ وزاری کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس آہ وزاری میں میرا دل مجھ سے اڑا۔ میری آنکھیں کھلی تھیں۔ لیکن اب ان کے سامنے غرق ہوتا ہوا گاؤں نہیں تھا۔ بلکہ اسکے سامنے اجڑتا ہوا بھارت تھا۔ مجھے میرا بھارت ویسا ہی تاریک۔ سرد اور خوفناک نظر آیا۔ جیسا کہ وہ دن تھا۔ مجھے ہر ایک ہندوستانی روتا ہوا دکھلائی دیا۔ گنگا اور جمنا آنسوؤں کی روانی کا ثبوت دینے لگیں۔ پنجاب کے پانچوں دریا رو رو کر اپنی کہانی سنانے لگے۔ دیوار کے ساتھ لپٹا ہوا تاک اب میری آنکھوں کو نظر نہیں آتا تھا۔ ہاں اجڑتے ہوئے بھارت کے ساتھ اس کی قدیم تہذیب پراچین شان وشوکت اور پہلی حشمت لپٹی ہوئی دکھلا دی۔ میرے سامنے اب وہ گرتا ہوا تنومند درخت نہیں تھا ہاں نوجوانوں کی خاک پر گرتی ہوئی۔ امنگیں۔ ہندوستانیوں کے ٹوٹتے ہوئے حوصلے اور اہل وطن کے مایوس زرد۔ اور حسرت زدہ چہرے نظر آئے۔ یہ سارا نظارہ میں آن کی آن میں دیکھ گیا۔ لیکن ابھی یہ منظر ختم نہیں ہوا تھا۔ معاً میرے کان میں آواز آئی "تو یہ گر پڑے"۔ میں! یہ کیا ہوا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں کانپ

میری آنکھوں کے سامنے اب پھر وہی اجڑتی ہوئی بستی تھی۔ میرے کان اب پھر وہی آہ وزاری سننے لگے۔ اور طوفان کا زور مینہہ کا شور سننے لگے "پربھو" اس طوفان کو بند کر۔ غریب کسان اور چرواہے مرجائیں گے۔ پربھو ترس کھا۔ اور اس آفت کو دور کر۔" ایسی ہی دعائیں اب ہو رہی تھیں۔ میرے بھارت کے بچاؤ کے لئے کب سارے کے سارے عبادت داسی نزلی دونہ پکار کریں گے کب یہ اس کی اجڑی ہوئی خطرناک حالت سے خبردار ہونگے۔ کون جانے؟

لیکن اس روز میں نے دیکھا کہ آسمان کے بادل پھٹ گئے۔ دو ہی روز میں سیلاب اتر گیا۔ ندی نالوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ میں اُجڑتی ہوئی بستی سے نکلا کشتی پر سوار ہوا اور چڑھاؤ کی طرف چلنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد میں پھر واپس آیا۔ اسی اُجڑتے ہوئے گاؤں میں ٹھیرا۔ آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ سورج کی خوشنما کرنوں نے درختوں کی چوٹیوں پر گلکاری کر دی تھی۔ میں نے دیکھا۔ اجڑے ہوئے گاؤں کے لوگ اپنی جھونپڑیوں اور مکانوں کی مرمت میں مشغول ہیں۔ دیواریں بنائی جا رہی ہیں چھت ڈالے جا رہے ہیں کسان اور چرواہے کام بھی کرتے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ گیت بھی گاتے جاتے ہیں۔

کیا ہم بھی کبھی گیت گائیں گے۔ کیا ہمیں بھی کبھی سیلاب اور طوفان سے چھٹکارا ملیگا۔ کیا یہ بھارت بھی کبھی توہمات پرستی ہے تمک غلامی اور سستی سے آزاد ہوگا۔ کیا ہمیں بھی کبھی اسے از سر نو مرمت کرنے کی سوجھیگی؟ ہائے کس سے ان باتوں کا جواب طلب کروں؟ میرے ان خیالات پر طلوع ہوتا ہوا سورج مسکرایا بھارت پر چمکنے والے سورج کا منہ زیادہ سرخ ہو گیا۔ ایک عجیب فخر اور غرور اسکے چہرے سے نمایاں ہونے لگا۔ میں نے بار بار اس کی طرف دیکھا اس کے پرُ رعب چہرے نے مجھے ایک گونہ تسلی دی۔ میں اپنی کشتی پر واپس چلا آیا کشتی چلنے لگی اور میں گانے لگا۔ ؎

بھارت کے وہ دن لوٹ کر کبھی آئیں گے کہ نہ آئیں گے؟

(۶)

سورگ خالی پڑا ہے

(ایک مزیدار قصہ)

نارد سیاح تھے سیر کرتے کرتے سورگ (بہشت) میں جا نکلے۔ دیکھا مجسم آنند وہاں موجود ہے۔ خوشی کی لہریں ناز و انداز سے چل رہی ہیں۔ ہر طرف مسرت ہے۔ اور دُکھ درد کا کہیں نام و نشان نہیں۔ لیکن حیرانی ہے اور غضب کا تعجب ہے۔ کہ سورگ خالی پڑا ہے۔ کوئی بھی انسان دکھلائی نہیں دیتا۔ سورگ بھومی میں چہل قدمی کرتے کرتے نارد جی ایک خوبصورت باغیچہ میں پہنچ گئے۔ خوشی کی ترنگوں نے۔ خوش آیند باجوں نے اور من موہنی خوشبو کی لپٹوں نے نارد جی کو مست کر دیا۔ دیکھا سامنے بھگوان بیٹھے ہیں۔ چھوٹتے ہی پوچھا کیوں بھگوان! یہ آپ کا سورگ خالی کیوں پڑا ہے۔ لاانتہا خوشیوں اور آنندوں کو کون بھوگنا نہیں چاہتا؟

(بھگوان) بات درست ہے۔ لیکن ہوا ہی پلٹ گئی ہے۔ اب کوئی بھی اس سورگ بھومی میں آنا نہیں چاہتا۔

نارد۔ واہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ سورگ کا نام لیتے ہی ہزارہا انسان ادھر دوڑ پڑیں گے۔

بھگوان۔ بہتر ہے۔ ذرا انسانی دنیا سے کسی کو یہاں لے تو آؤ۔

نارد۔ خراماں خراماں چلتے بہشت سے باہر آئے۔ آبادی کی طرف قدم بڑھایا ان کے دل میں امید تھی۔ اُلاس تھا اور خوش تھا۔

"ابھی ایک جم غفیر کو سورگ میں داخل کرتا ہوں" یہی سوچتے ہوئے نارد شہر میں پہنچ گئے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی ایک بوڑھا جس کے نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت تھی ملا۔ اُسے کہنے لگے۔ کہو میاں بوڑھے بیکنٹھ میں چلو گے؟ یہ بات سنکر بوڑھا بگڑا اور کہنے لگا۔" بدقسمت تو ہی بیکنٹھ میں جا جس کا نہ کوئی آگا ہے نہ پیچھا۔ میں کیوں جاؤں۔ میرے پتر اور پوتے ہیں۔ استری ہے۔ اور دولت ہے۔ جو بدقسمت اور کنگال ہو وہ بیکنٹھ میں جائے۔

نارد جی۔ یہ جھڑک سنکر چپ چاپ آگے چلدیئے۔ ابکے ایک جوان نظر پڑا۔ اُسکے کان میں آہستگی سے نارد جی نے کہا۔ کیا سورگ میں چلو گے؟

اس نے سنتے ہی کہا کیا عقل اڑگئی ہے۔ سورگ تو بوڑھوں کے لئے بنا ہے۔ جو کسی کام کے لائق نہیں رہتے۔ ہم تو سب کام کر سکتے ہیں۔"

نارد جی اب اور آگے بڑھے۔ اور ایک آدمی پر یہی سوال کیا۔ نارد جی کو جواب ملا۔ کسی اپاہج لولے۔ لنگڑے کو تلاش کیجئے یہاں تو ... نہیں ہو سکتی۔" اسی طرح نارد جی شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگا گئے۔ لیکن کسی نے بھی بیکنٹھ یا سورگ میں جانا منظور نہیں کیا۔

اب نارد جی کے چہرے پر مایوسی کے آثار ہویدا ہوئے۔ وہ ایک کونے میں خاموش بیٹھ گئے۔ اور دنیا کے مختلف نظاروں پر غور کرنے لگے۔ اتنے میں ایک امیر ساہوکار ماتھے پر تلک لگائے ادھر سے گذرا۔ نارد جی نے اسے اپنے مطلب کا سمجھکر بلایا۔ اور پاس بٹھلا کر کہا۔" سیٹھ جی دُنیا کے سُکھ بہت دیکھ لیئے۔ اب چلیئے۔ ذرا بیکنٹھ کے سُکھ دیکھیئے۔

سیٹھ۔ ہاں میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ لیکن ابھی لڑکا لائق نہیں ہوا۔ یہ ذرا بڑا ہوئے اور کام کاج سنبھال لے۔ تو پھر چلونگا۔ آپ نے مجھے

دن بعد پھر آنا۔
نارد جی اس امید پر چلے گئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد پھر سیٹھ جی کے پاس آئے تو دیکھا کہ سیٹھ کا لڑکا سارے کاروبار میں ہوشیار ہو گیا ہے۔ نارد جی نے سیٹھ جی کو کہا۔ کہیئے اب تو آپ چلیں گے؟
سیٹھ۔ ہاں بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں۔ کہ میرے لڑکے کے گھر کچھ اولاد ہو لے پھر چلونگا
اسی طرح کچھ زمانہ اور گذر گیا۔ اور نارد جی پھر سیٹھ کے پاس پہنچے دیکھا اب ان کی گود میں پوتا کھیل رہا ہے "کہو اب چلو گے" نارد نے پوچھا۔ لیکن جواب ہنستے ہوئے یہ ملا کہ پوتے کی شادی کر کے ضرور چلونگا۔
- زمانہ گذرتے دیر نہیں لگتی۔ اسی طرح چند سال بیت گئے۔ نارد جی ایکبار سیٹھ کے پاس آئے تو معلوم ہوا۔ کہ سیٹھ جی تو مر گئے ہیں۔ نارد جی نے سمادھی لگائی۔ یوگ بل سے معلوم کیا۔ کہ یہ سیٹھ تو ابھی اپنے ہی دھن کے اوپر سانپ بنا بیٹھا ہے۔ سمادھی اوستھا میں ہی پوچھا۔ کیوں اب بھی چلنا ہے یا نہیں؟ جواب ملا لڑکا دولت کی اچھی طرح حفاظت کرنے کے قابل ہو لے تو چلونگا۔
نارد جی ایک اور بار کچھ عرصہ گذرنے پر آئے تو سانپ بھی مر چکا تھا۔ اب کے نارد جی کو معلوم ہوا۔ کہ دروازے پر جو کتا بیٹھا ہے۔ یہ وہی سیٹھ ہیں۔ سوال کیا بیکنٹھ چلو گے؟ جواب ملا پوتا نالائق ہے۔ میں دروازے پر بیٹھ کر چوروں کو دیکھتا ہوں۔ تاکہ کہیں دولت نہ لیجائیں۔ کچھ دیر اور انتظار کیجئے۔
نارد جی چند اور مہینوں کے بعد پھر آئے۔ اب کے پھر وہی سوال کیا۔ لیکن جواب ملا۔ نارد جی مہاراج! سچی بات تو یہ ہے کہ ہم ابھی اسی جگہ مزے میں ہیں۔ کچھ عرصہ اور یہیں رہنے دیجئے۔

نارد جی کو اس دفعہ سخت صدمہ ہوا۔ مایوس ہو کر سورگ کی طرف چل دیئے جب سورگ میں پہنچے۔ تو بھگوان نے پوچھا۔ کہو کتنے آدمی بیکنٹھ میں آئے ہیں؟۔

نارد سر نیچا کیئے ہوئے کہنے لگے بھگون! آپ تو سچ ہی کہتے تھے۔ دنیا والے اپنے دہندوں اور جھگڑوں میں اس قدر پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ سورگ میں آنا نہیں چاہتے۔

یہ ایک فرضی قصہ ہے جس میں دنیا داروں کی حالت کا دلچسپ اور شوبھ فوٹو کھینچا گیا ہے۔ سوال یہ ہے۔ کہ کیا سورگ خالی ہی پڑا رہیگا۔ کیا کوئی بھی سورگ میں جانا نہیں چاہتا؟۔ اس کا جواب اہل دنیا کو دینا چاہیئے اور جو دنیا والے بیکنٹھ میں جانا چاہیں۔ وہ درخواستیں بہت جلد ہمارے پاس بھیجدیں۔

(۷)

اِس بدبُو سے کب نکلو گے

شہر سے دُور جنگل کے کنارے سندر من ہرن سبز ٹیلے کے اوپر ایک کٹیا تھی۔ اور کٹیا میں ایک ویراگی پتسوی سنیاسی رہتا تھا۔ لوگ آتے تھے اور دھرم اُپدیش لے کر چلے جاتے تھے۔ دُنیا کے مخصوص دُنیا کے جھمیلوں اور کلیشوں سے رنجیدہ کبیدہ آتے تھے۔ اور ویدامرت کا پان کر کے شانت ہو کر چلے جاتے تھے۔ شہر کا راجہ بھی اکثر مہاتما کے پاس جاتا تھا۔ اور ہر دیہ کی تپت بجھانے والا منوہر سرمن سنتا تھا۔

ایک دن صبح ہی جبکہ ابھی پرندوں نے راگنیاں شروع کی ہی تھیں کہ راجہ اسی کٹیا میں پہنچا۔ عاجزی سے پریم سے اور شردھا سے نمسکار کیا اور کہنے لگا سوامن! آج ہمارے گھر چلیے اور اُسے پوتر کیجیے مہاتما نے بہتیرا انکار کیا۔ لیکن راجہ نے کچھ ایسے خلوص دلی سے عرض معروض کی کہ آخر مہاتما جی کو ماننا پڑا۔ مہاتما جی راجہ کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہوئے راجہ کا محل آج بڑی شان سے سجایا گیا تھا۔ صفائی پہلے بھی ہوتی تھی۔ لیکن آج تو صفائی میں کمال ہی کر دیا۔ کھلی اور جنگلی ہوا میں رہنے والے سنیاسی کو شہر کی ہوا ہمیں ناگوار نہ لگے۔ اسی لئے راستہ میں بھی دو طرفہ خوشبودار پھولوں کے گملے رکھے گئے۔ عطر کا چھڑکاؤ کیا گیا۔ محل میں دھوپ اور اگر تگر جل رہا تھا۔ خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں۔

مہاتما راجہ کے ساتھ محل میں پہنچا۔ ابھی چند ہی منٹ بیٹھے تھے کہ مہاتما جی

نے کہا۔ راجن! آپکے گھر سے بدبو آتی ہے۔ ہم چلتے ہیں"۔ راجہ نے ہاتھ جوڑے سر جھکایا اور
عرض کی "سوامی! یہاں بدبو کا کیا کام؟ چاروں طرف عطر چھڑکا ہوا ہے"۔
مہاتما۔ راجن! تم ہمیشہ اسی بدبو میں رہتے ہو۔ اسلئے تم اسے محسوس نہیں کر سکتے۔
راجہ۔ میں کیسے مانوں؟ مجھے تو خوشبو ہی خوشبو آتی ہے
مہاتما۔ اچھا ٹھہرو۔ ہم تمہیں بتلا دیں گے۔
اب مہاتما جی راجہ کے ساتھ بازار کی سیر کو نکلے۔ چلتے چلتے چرم سازوں کے
بازار میں آ نکلے۔ جہاں چمڑے کے کپے پٹے بن رہے تھے۔ اس جگہ مہاتما پہنچکر
ٹھہر گئے۔ راجہ نے کہا سوامی! یہاں سے جلد گذر چلیئے۔ اس جگہ بڑی بدبو ہے
مہاتما جی ہنسے اور ایک چمڑے ساز سے پوچھا کیوں بھائی یہاں کچھ بدبو ہے
اس نے جواب دیا نہیں یہاں تو کوئی بدبو نہیں۔
اب مہاتما نے راجہ کی طرف دیکھکر کہا "راجن! کہئے اس جگہ بدبو ہے یا نہیں
راجہ۔ بیشک سخت بدبو ہے۔
مہاتما۔ لیکن تمام چمڑے سازوں کو بدبو نہیں آتی۔
راجہ۔ ان کا دماغ گندہ ہو گیا ہے۔
مہاتما۔ ٹھیک اسی طرح گرہست میں رہتے رہتے آپکا دماغ گندہ ہو گیا ہے اور
اس بدبو۔ پھیلانے والے گرہست کو آپ چھوڑنا نہیں چاہتے۔
مہاتما اور راجہ کی گفتگو یہیں ختم ہو گئی لیکن ہماری داستان ابھی خاتمہ پر
نہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ آریہ بھائی جو گرہست بھوگ چکے ہیں۔ کیا انہیں اب
بدبو نہیں آتی۔ اور کیا وہ اب بھی اس بدبو سے نکلنا نہیں چاہتے! بوڑھے
آریہ پرشوں کا فرض ہے۔ کہ وہ اسکا جواب دیں۔ جو آریہ جنتا کی طرف سے ان پر عائد
ہے۔ کہ
اس بدبو سے کب نکلو گے؟

(۸)

بخار چڑھا ہوا ہے!

کمبخت نوکر کو نہ معلوم کیا ہو گیا۔ ادھر کئی روز سے نہ روٹی ہی اچھی بنتی ہے نہ بھاجیوں کا مزا ہے۔ نہ سالن کا سواد کچھ عجیب لاپرواہی سے کام کرتا ہے کسی میں نمک نہیں کسی میں مرچ نہیں۔ کسی میں کھٹائی کم ہے کسی میں میٹھا ہی نہیں۔"

میں نے کہا آخر کیا وجہ پہلے تو یہ خوب مزیدار کھانا تیار کرتا تھا۔"

اجی جب سے مجھے بخار چڑھا ہے۔ تب ہی سے اسے کچھ ہو گیا ہے کھانے کا لطف آتا ہی نہیں۔ وہ بات ہی پیدا نہیں ہوتی۔ انگلیاں چاٹ چاٹ کر کھا جایا کرتا تھا۔ لیکن اب دو لقمے اندر لے جانے بھی مشکل ہو جاتے ہیں۔ کچھ مزہ آئے تو کھاؤں بھی جب لطف ہی نہ ہو تو بھلا کھایا کیا جا سکتا ہے۔"

میں نے پھر کہا: "اچھا بخار چڑھا ہوا ہے۔" تب ہی آپ کو مزیدار اور لذیذ کھانوں کا آنند نہیں آتا اور یہ بالکل بے مزہ معلوم ہوتے ہیں۔"

نہیں جی میں کھانے والا تو وہی ہوں۔ اب کھانوں میں ہی مزا نہیں رہا۔"

میں اس پر مسکرا دیا۔ اور یہ کہتا ہوا۔ کہ جب بخار اُتر جائیگا۔ تو کھانے خود بخود لذیذ ہو جائیں گے۔ اپنے بیمار دوست کو الوداع کہکر نیچے اترا جہاں میرے ست سنگی کھڑے تھے۔ میں ہنستا ہوا اُتر رہا تھا۔ اس لئے میرے دوستوں نے ہنسی کا سبب پوچھا۔ میں نے اپنے بیمار دوست کی بدمزگی

کا تذکرہ سنایا اور بتلایا کہ اسے لذیذ کھانوں کا بھی مزہ نہیں آتا۔ کیونکہ
اسے بخار چڑھا ہوا ہے۔ میری بات سنتے ہی معاً میرا ایک ست سنگی اچھل پڑا اور کہنے لگا لو آج تمہارے سوال کا جواب مل گیا۔ تم کہا کرتے ہو دنیا میں اب کوئی خدا رسیدہ نہیں رہا۔ کوئی وید جاننے والا نہیں رہا۔ کوئی رشی اور تپسوی نہیں رہا۔ سبھی پاپی ہو گئے ہیں۔

میں۔ ہاں کہتا تو ہوں اور کیا غلط کہتا ہوں۔!

ست سنگی۔ غلط نہیں تو کیا درست ہے! ہاں یہ ویسے ہی درست ہے جیسے تمہارے بیمار دوست کی بے مزگی۔!

میں۔ اسے تو بخار چڑھا ہوا ہے۔

ست سنگی۔ آپ کو بھی بخار چڑھا ہوا ہے۔

میں حیران رہ گیا۔ ماتھے کو ہاتھ لگایا۔ پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ کہیں حرارت محسوس نہ ہوئی۔ پھر تھرما میٹر جیب سے نکالا۔ اسے لگایا۔ پارہ ۹۸½ سے اوپر نہ چڑھا۔ میں نے سب کچھ دیکھ کر اپنے ست سنگی کو کہا۔ کیا بے تکی ہانکتے ہو۔

ست سنگی۔ پیارے بے تکی نہیں ہے۔ تمہیں ترشنا روپی بخار چڑھا ہوا ہے اس لئے آپ کو کوئی بھگت نظر نہیں آتا۔ جیسے بخار والے کو مزیدار کھانے بے لذت معلوم ہوتے ہیں۔ ترشنا روپی بخار کو اترنے دو دیکھو کہ تمہیں ایشور بھگت نظر آتے ہیں یا نہیں۔

میں۔ یہ بخار کیسے اتارا جاوے۔

ست سنگی۔ ایشور وشواس سے یہ بخار اتر سکتا ہے۔ دوسرے اپنی ضروریات کو کم کرو۔ ترشنا سے باز آؤ۔ پھر بخار بھی اتر جاویگا۔ اور ایشور بھگت بھی نظر آجاوینگے۔ جب تک یہ بخار چڑھا ہے۔ تب تک تو لذیذ کھانے بھی بے لذت ہی معلوم ہوں گے۔

(۹)

اچھے کی دوستی

سُن سُن میں آج تجھے ایک قصہ سُناتا ہوں۔ اچھے کی دوستی کا قصہ نیک کی مترتا کی داستان اور بھلے کے پیار کی کہانی سناتا ہوں۔

برتن میں دودھ پڑا تھا۔ دوستی کے کیا معنے ہیں؟ اس کا راز کیا ہے کونسا بھید ہے۔ اسے دریافت کرنے کے لئے محقق نے دودھ میں پانی ملا دیا۔ پانی دودھ میں مل گیا۔ دودھ نے پانی کو اپنی رنگت اپنا گن۔ اپنا ذائقہ اور اپنی ہی صفت دیدی۔ کون جانتا ہے؟ کہ یہ پانی اور دودھ ملے ہوئے ہیں۔ کوئی ہنس ہو تو وہ ان میں تمیز کرے۔ کوئی سائنس کا مرہم جاننے والا ہو تو ان میں تفریق کرے۔ ورنہ نہیں نہ تو جان سکتے ہیں کہ یہ دو چیزیں ہیں۔ دوستی کی پرکھ کرنے والے نے اگلا عمل شروع کیا۔ پانی ملے ہوئے دودھ کو آگ پر رکھدیا۔ دونوں دوستوں کا امتحان ہونے لگا۔ کون پہلے جلے؟ دُودھ نے کہا میں جلتا ہوں۔ پانی نے کہا نہیں پہلے مجھے جل لینے دو۔ سب مجھے بھاپ بنکر اُڑنے دو۔ جب تک میں تیرے پاس ہوں تجھے جلنے نہ دونگا۔ ہاں جب میرا ایک ایک انگ کاٹ ڈالا گیا۔ میرا ایک ایک روم جلا ڈالا گیا۔ تو پھر تیری جان پر بھی آبنیگی؟ پانی نے یہ کہا اور جلنے لگا۔ بھاپ بننے لگا۔ ادھر اوپر جانے لگا۔۔۔ دوستی کی پرکھ کرنے والے نے کہا۔ دودھ اپنے دوست کو جاتے دیکھکر آہیں بھر رہا ہے۔ وہی بھاپ کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ سائیں سائیں کی آواز

بھی آہوں کا حصہ ہی ۔ آخر پانی بہت کچھ جل گیا ۔ دودھ کا عنصر اپنے دوست کو اس مصیبت میں دیکھکر دم بدم بڑھ رہا تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ اس آگ کو جس نے اُس کے دوست کو جلایا ہے ۔ اُڑا یا ہے تباہ کردے سرد کر دے ۔ چاہے خود اسکو قربان ہونا پڑے ۔ آخر تاب نہ رہی انتقام کا جذبہ بھڑکا اور اس بھڑکنے نے دودھ کو ابھار دیا ۔ دودھ ابھرا اور برتن سے باہر نکلنے ہی لگا تھا ۔ کہ محقق نے دودھ میں پانی کا ایک چھینٹا دے دیا ۔ اور دودھ ایک عجیب آواز میں ایک نرالی سُر میں راگ گاتا ہوا نیچے بیٹھ گیا ۔ کہ مجھ کو میرا دوست مل گیا ہے جس کے لئے میں ابھرا تھا ۔ اس کا وصل ہو گیا ہے ۔ اب میں آرام سے بیٹھتا ہوں محقق نے اس نظارے کو دیکھا اس سے دوستی کا راز معلوم کیا میں اپنے محبوب کے لئے جلوں محبوب میرے لئے جلے ۔

؎ الفت کا تب مزہ ہے کہ دونوں ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی ہو

اسی قسم کی الفت ایسی ہی دوستی کا رشتہ جو لوگ دوست کو پہچاننے والے دوست کے ساتھ جوڑتے ہیں ۔ پرم ستر پرماتما کے درشن کرانے والے وید سے جو پریم کی لگن لگاتے ہیں ۔ وید اور پرماتما پھر اُس کو اپنا بھگت بنا لیتے ہیں ۔ اپنا دوست بنا لیتے ہیں ۔ اور دوست بنا کر ہر لحظہ ہر گھڑی اس کے انگ سنگ رہتے ہیں ۔ جس انسان کا دوست وید اور ایشور ہے ۔ پھر دنیا کے اندر اسے نہ شوک رہتا ہے ۔ نہ موہ ۔ اس کے کلیش مٹ جاتے ہیں ۔ وہ خلقت بھر سب کا بھلا کرتا ہے ۔ اور دوسروں کو دوستی کے راز سے واقف کراتا ہے ۔

انسان یا پتھر کی مورتیاں؟

سرپٹ گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے تھک کر اور چور ہو کر سوار نے گاؤں کے باہر ایک خوبصورت گھنی چھاؤں دیکھی اور وہیں گھوڑے سے اُتر آرام کرنے لگا۔ ایک گھنٹے گذر گئے۔ سوار کی تھکاوٹ کچھ دُور ہو چکی تھی۔ پسینہ بھی خشک ہو چکا تھا۔ بدن میں کچھ تروتازگی آئی معلوم ہوتی تھی۔ اتنے میں اسنے دیکھا کر سامنے کے خوبصورت مندر میں لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے ہیں سوار اپنی جگہ سے اُٹھا اور مندر کی طرف چل پڑا۔ اندر داخل ہوا۔ پوچھا۔ آج یہاں کیا ہو رہا ہے۔

جواب ملا۔ اس جگہ ہر روز کتھا ہوا کرتی ہے۔ لوگ کتھا سننے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔

سوار نے بھی کتھا سننے کا ارادہ کر کے گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ اور ایک کونے میں چُپ چاپ بیٹھ کر غور سے کتھا سننے لگا۔

آج کتھا کا مضمون ویراگ تھا۔ کتھا کرنے والے کی آواز دلکش تھی۔ طرز بیان من ہرن تھا اور سب سے بڑھکر شاستر کے بچن دل پر اثر کرنے والے تھے۔ کتھا ہو رہی تھی "دنیا کے اندر بیشمار دُکھ ہیں۔ ان دکھوں سے بچنے کا اُپائے صرف ویراگ ہے۔ جو لوگ اپنی زندگیوں کو دنیا کے ہی دھندوں میں تباہ کر دیتے ہیں۔ اُن کو آئندہ جنم میں نہ خوبصورت چہرے نہ پیاری پیاری آنکھیں

نہ سوچنے اور سمجھنے والا دماغ رہی وہ پاڑ ہنے کی طاقت اور نہ ہی اشرف المخلوقات کہلانے کا حق دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ ایسے قید خانوں میں بند کر دیئے جاتے ہیں جن کی شکلیں اور صورتیں مکروہ ہوتی ہیں۔ کسی کی تھوتھنی نکلی ہوتی ہے کسی کی چار ٹانگیں ہوتی ہیں۔ کسی کی ہزار ہا کسی کی ہوتی ہی نہیں۔ ان کی نظریں نیچی کر دی جاتی ہیں۔ انہیں ندامت کے باعث گردن اونچی کرنے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔ اسطرح ان کی اعلیٰ زندگی ایسی گھنونی زندگی میں تبدیل ہو جاتی ہے اس لئے دنیا داروا اے دنیا کے دھندوں میں پھنسے ہوئے لوگو! پرماتما کے نام کا لمحہ لمحہ میں سمرن کرو۔ اوم کا ہر وقت جاپ کرتے رہو۔ کیسا ہے یہ جاپ؟ کلیان کا ایک مندر ہے۔ سانس کا کچھ بھروسہ نہ رکھو جو سانس تو نے باہر بھیجدیا۔ کیا جانے پھر آسکے یا نہ آسکے۔ پس اسی دم اوم کا جاپ شروع کر دے۔ دل میں ویراگیہ پیدا کر۔ اور دنیا کے دھندوں سے بچ!"

سوار نے اس ویراگیہ پیدا کرنیوالے سمرن کو سنا۔ کتھا ختم ہوئی سوار بھی اُٹھا۔ باہر آیا۔ اپنا کل سامان اسی وقت لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ گھوڑا بھی ایک اپاہج کو دان دیدیا۔ اور خود ایک چادر بدن پر اوڑھے، ویراگی بنکر آگے چل پڑا۔

ویراگی سوار اس طرح سالہا سال گھومتا رہا۔ ایشور بھگتی میں اپنا قیمتی وقت لگاتا رہا۔ تپسیا کے ذریعہ اپنے من کو قابو کرتا رہا۔ اور پھر لوگوں کو ایشور بھگتی کا اپدیش دیتا رہا۔

ہوتے ہوتے بارہ برس بیت گئے۔ وہی موسم تھا گرمیوں کے دن تھے۔ ویراگی سوار اسی گاؤں کی طرف جہاں سے اُسے ویراگ کا اپدیش ملا تھا۔ آنکلا۔ مندر کے قریب ویسی ہی دلکش گھنی چھاؤں تھی۔ مندر بھی اسی طرح بنا ہوا تھا۔ ویراگی سوار نے دیکھا۔ لوگ بدستور مندر میں جاتے

ہیں۔ بھیڑ بھاڑ کاتی ہے۔

ویراگی سادھو حیران تھا۔ ہیں! بارہ برس کے بعد بھی ویسی ہی بھیڑ بھاڑ

ایک آدمی سے بڑھکر پوچھا۔ کیوں جی؟ یہاں مندر میں کیا ہو رہا ہے؟

آدمی۔ مہاراج کتھا ہو رہی ہے۔

ویراگی۔ یہ کتھا کب سے ہو رہی ہے؟

آدمی۔ بھگون! آج کوئی بیس برس سے ہو رہی ہے۔

ویراگی۔ یہ سننے والے کب سے سن رہے ہیں؟

آدمی۔ سوامی! کوئی بیس برس سے کوئی دس برس سے۔ کوئی کم کوئی زیادہ۔ اسی طرح سے سن رہے ہیں۔

ویراگی۔ کیا یہ سننے والے زندہ لوگ ہیں؟ سچ مچ کے آدمی ہیں یا پتھر اور لکڑی کی مورتیاں ہیں۔

آدمی۔ نہیں مہاراج! یہ آپ کیا کہتے ہیں۔

ویراگی۔ کیا جھوٹ کہتا ہوں۔ ہم نے تو اسی مندر سے اسی کتھا کرنے والے سے ایک ہی دن کتھا سنی تھی۔ شاستر کی ایک ہی چابک لگی تھی۔ لیکن یہ لوگ عجیب ہیں۔ جو اتنے عرصے سے شاستر کی چابکیں کھا رہے ہیں اور پھر بھی ان کو ہوش نہیں آتی۔ ایسی حالت میں ان کو انسان سمجھیں یا پتھر کی مورتیاں؟

یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ جو بڑی خوبصورتی سے آریہ پرشوں پر عائد ہوتی ہے۔ آریہ پرش ذرا اپنی اوستھا دیکھیں۔ اور بتلائیں کہ کیا وہ سچ مچ کے انسان ہیں یا پتھر کی مورتیاں۔ کیونکہ سالہا سال سے آریہ سماج میں سرمن اور اپدیش ہوتے رہے ہیں۔ لیکن دیکھا جاتا ہے کہ نہ صرف نئے آریہ بھائی ہی

بلکہ پُرانے سے پُرانے آریہ پرش بھی اُن پر عمل کر کے دکھلانے کی کوشش نہیں کرتے۔ کئی بار اعلان ہو چکا ہے کہ بوڑھے آریہ پرشوں کو اب سنیاس دھارن کرنا چاہیئے۔ بان پرستی بننا چاہیئے۔ لیکن ہائے رے دنیا دی مخصوا تمہارا بھلا ہو۔ جوان بزرگوں کے کان پر جوں تک رینگنے نہیں دیتے۔

کیا جانے دنیا کے دھندے زیادہ میٹھے ہیں۔ زیادہ رسیلے ہیں۔ جو ان بزرگوں کو جاتی سیوا۔ اور ایشور بھگتی کی طرف لگنے نہیں دیتے۔ یا ان دھندوں سے پیٹرت۔ دُکھت اور کلیشت ہو کر بھی عمر بھر کے قیدی کی طرح سے وہ اس قید خانہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ یہ سطور محض اور محض بزرگ آریہ پرشوں کے لئے لکھی گئی ہیں۔ کیا وہ اس بات کا جواب دیں گے۔ کہ آیا وہ

سچ مچ کے انسان ہیں یا پتھر کی مورتیں!!!

زہریلا آبحیات

بابو بنکم چندر چیٹر جی کے مشہور ترین بنگالی ناول سیتا رام کا اردو ترجمہ از قلم مہاشہ سدرشن جرنلسٹ لاہور۔ ہندو عروج و کمال کا نقشہ۔ گراوٹ و زوال کا خاکہ تحریر برجستہ دلچسپ دلکش۔ دلپسند سبق آموز۔ دلفریب اور عبرت خیز پڑھکر انسان بے آب دوا ہو جاتا ہے قیمت عمر

(۱۱)

کس کی عزت ہوئی؟

سرسوتی پنڈت کی آواز سریلی تھی۔ اس میں مٹھاس تھی۔ اور وہ دل کی تہ تک پہنچتی تھی۔ یہی پنڈت جی شہر میں کتھا کر رہے تھے۔ لوگ جوق درجوق آتے تھے۔ ایک دولتمند سیٹھ بھی پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آیا کرتا۔ اور سب سے پیچھے ایک کونہ میں بیٹھ جاتا۔ کسی نے کبھی اسکی طرف نگاہ ہی نہیں کی۔ کسی نے اُسے پوچھا تک بھی نہیں۔ اسی طرح کئی دن گذر گئے۔ سیٹھ صاحب کو کتھا بہت پسند آئی۔ اگلے روز سیٹھ اپنے ساتھ دس روپے لے آیا۔ اور کتھا ہونے پر سرسوتی پنڈت کے آگے دس روپے چڑھا دیئے۔ چاروں طرف سے واہ واہ کی صدا بلند ہوئی۔ دوسرے دن جب سیٹھ کتھا میں آیا۔ تو کوئی کہنے لگا سیٹھ جی ادھر آجایئے۔ کسی نے کہا آگے تشریف لے آیئے۔ سرسوتی پنڈت بولے ادھر آیئے۔

سیٹھ کو حیرت ہوئی اور اس نے کہا۔ مہاراج معلوم ہوگیا جہاں روپیہ بولتا ہے۔ وہاں سب چپ ہو جاتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ صرف دُنیوی کاموں میں ہی روپیہ کی عزت ہوتی ہے۔ لیکن اب معلوم ہوگیا کہ دھرم میں بھی اسکی عزت ہے۔ آجتک میری کسی نے عزت نہیں کی کسی نے جھوٹے مُنہ سے بلایا تک نہیں۔ میں آتا تھا۔ اور اجنبیوں کی طرح پیچھے بیٹھا رہتا تھا کسی سے اتنا بھی تو نہ ہوسکا۔ کہ کوئی میری خیر و عافیت پوچھتا۔ اور دریافت کرتا کہ تم

کون ہو کہاں سے کتھا سننے آتے ہو۔ لیکن اب دیکھئے ہر ایک شخص میرا مان کر رہا ہے۔ سبھی اپنے پاس بٹھلانا چاہتے ہیں حتیٰ کہ مہاراج پنڈت جی بھی اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ کہئے یہ دھرم ستھان میں بھی روپیہ کا مان نہیں تو اور کیا ہے؟

سیٹھ جی کی پرزور تقریر سنکر سب خاموش ہو گئے۔ چپکے چپکے لوگ کہنے لگے۔ سیٹھ جی نے تو بڑی بُری جھاڑ دی ہے۔ کچھ دیر اسی طرح کانا پھوسی ہوتی رہی۔ آخر سرسوتی پنڈت نے خاموشی کو توڑا اور کہنے لگا۔ سیٹھ جی! یہ آپ نے کیا سمجھ لیا۔ عزت آپ کی نہیں ہوئی۔ آپ تو وہی ہیں۔ روپیہ تو پہلے بھی آپ کے پاس تھا۔ یہ تو آپ کے تیاگ کی عزت ہے۔ آج آپنے دس روپے کا تیاگ کیا عزت بڑھ گئی۔ اگر اور تیاگ کریں گے۔ تو اور بڑھ جائے گی۔ یاد رکھئے عزت دولت کی نہیں۔ دھن کی نہیں۔ بلکہ اس کے تیاگ کی ہے۔

عزت والا بننے کے لئے دولت مند ہونا بیشک ضروری ہے۔ لیکن محض دولت عزت نہیں دلاتی۔ بلکہ اس کا تیاگ دلاتا ہے۔

اس سے آپ سمجھ لیجئے۔ کہ کس کی عزت ہوئی؟ آیا دولت کی یا تیاگ کی۔

(۱۲)

اندر داخل ہو کر دیکھو

"آؤ آج ہمارے باغ میں چلو"

ایک امیر دوست نے اپنے دلی دوست کو کہا۔ دوست مسکرایا۔ اور خاموش ہو رہا۔ امیر دوست نے پھر کہا۔ دوست چلو ہم اپنے باغ میں تم کو آم کھلائیں۔ لیکن ابکے بھی دوست نے چپ ہی سادھے رکھی۔

امیر دوست اسی طرح وقتاً فوقتاً اپنے دوست کو باغ میں چلکر آم کھانیکی دعوت دیتا رہتا لیکن دوست نے کبھی بھی اس کا جواب نہیں دیا۔

ایک دن جبکہ آموں کا موسم جوبن پر تھا جولائی اگست کے دن تھے۔

امیر دوست نے پھر اپنے دوست کو کہا۔ چلو آج باغ میں چلکر آم کھائیں۔

دوست پھر مسکرایا۔ اور کہنے لگا معاف کیجیے۔ مجھے ایسے آموں کی ضرورت نہیں۔

امیر دوست۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ تم کو میرے آموں کی اصلیت کا پتہ نہیں۔

دوسرا۔ سب جانتا ہوں میں ایک دن آپ کے باغ کی طرف سے گذرا تھا۔ باہر ایک پکا ہوا آم گرا پڑا تھا۔ اٹھا کر چوسا تو اتنا ترش تھا کہ پہلا گھونٹ بھی میں بمشکل اندر لے جاسکا۔ اور سچ مانیئے کہ دو دن دانتوں سے ترشی دور نہیں ہوئی۔

امیر دوست۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) اب معلوم ہوا کہ کیوں میری درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔ لیکن ذرا سنو اسمیں ایک حکمت ہے۔ لڑکے ہمارے باغ کو خراب کرتے رہتے تھے۔ میرے والد صاحب کہیں سے ترش آم لے آئے۔ اور انکا بیج باغ کے اندر کنارے کنارے لگا دیا۔ اب لڑکے اتنا اودھم نہیں مچاتے آم کو ترش پا کر چلے جاتے ہیں لیکن تم ذرا باغ کے اندر تو داخل ہو کر دیکھو تب تم کو معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے اعلیٰ نسلوں کے آم لگے ہوئے ہیں۔ وہ آم بڑے ہی میٹھے اور خوش ذائقہ ہیں کنارے کے آموں کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔" آج اس دُنیا کے رہنے والوں کو بھی جب دھرم کے سر سبز باغ میں چلنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ تو یہ جنہوں نے کنارے کے ہی آم چوسے ہیں۔ دھرم کی پھلواڑی اور باغ میں جانے کا خیال ہی نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دھرم کے باغ میں کھٹے ہی آم ہیں۔ دکھ ہی ہیں۔ مصائب ہی ہیں۔ تکلیفیں ہی ہیں۔ لیکن ذرا اندر تو داخل ہو کر دیکھو مانا دھرم کا مارگ شریہ مارگ ہے۔ بیشک پہلے پہلے یہ راستہ بہت کٹھن نظر آتا ہے۔ کنارے پر کانٹے دار جھاڑیاں ہیں۔ لیکن دھرم باغ میں آپ جوں جوں آگے بڑھیں گے۔ آپ کو میٹھے اور خوش ذائقہ پھل ملیں گے۔ خوشبو سے دماغ معطر ہو جائیگا۔ لیکن وہ جو کنارے کے ہی آم چوسے ہوئے ہیں۔ اندر تو داخل ہوتے نہیں اور باہر سے ہی شکائتیں کرتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس طرح شکائتوں ہی شکائتوں میں اس موسم کو نہ گذار دیں۔ اندر داخل ہو کر دیکھیں اور آنند حاصل کریں۔

مینڈک اور سانپ

ایک خوبصورت ندی بہ رہی تھی۔ اس کی مستانہ چال ہر ایک کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ اس کا بل اور پیچ کھاتے ہوئے جانا اور ایک لہر کے پیچھے دوسری لہر کا اٹھنا دوسری پر تیسری کا زبردستی سوار ہونا۔ اسی سلسلہ میں پانی کا شور مچنا اور لہروں کا اچھلنا یہ ایسے نظارے تھے جو ایک آنکھ رکھنے والے کے لئے کافی تھے۔ لیکن دیکھنے والے نے اور بھی کچھ دیکھا۔ اور وہ دیکھا جو اگرچہ کل پیدا شدہ ہر روز دیکھتے ہیں لیکن نہیں دیکھتے۔

ندی کے بہاؤ کے ساتھ ایک سانپ اور ایک مینڈک بہتے چلے جا رہے تھے۔ اتنے میں سانپ نے مینڈک کو منہ میں پکڑ لیا۔ سانپ کے منہ میں گرفتار شدہ مینڈک نے بھی اس وقت منہ کھول رکھا تھا۔ اور مچھروں کا شکار کر رہا تھا۔ سانپ اب آہستہ آہستہ کنارے کی طرف جانے لگا۔ مینڈک بھی مچھروں کو کھا رہا تھا۔ اور آنے والے خطرہ سے بالکل بے خبر تھا۔ سانپ اب تیزی سے کنارے کی طرف آیا۔ اور آتے ہی مینڈک کو زمین پر پٹک کر مار ڈالا اور پھر نگل گیا؟۔

یہ اسی بہتی ہوئی ندی میں ہوا۔ پڑھنے والے کہیں گے۔ کہ یہ معمولی بچوں کی کہانی ہے۔ لیکن دیکھنے والا کہتا ہے۔ کہ یہی معمولی کہانی تو زندگی کا راز ہے۔ یہی نظارہ تو زندگی اور موت کی داستان کا حل ہے

جانتے ہو یہ ندی کیا ہے؟ یہ ہے یہی دنیا جس کے اندر ہم سب بہے چلے جاتے ہیں۔ مینڈک کون ہے۔ یہی انسان جسے سانپ روپی کال نے اپنے تیز جبڑوں میں پکڑا ہوا ہے۔ لیکن اس بات سے ناواقف انسان وشیوں کے مچھروں کو ہڑپ کئے جا رہا ہے۔ نہیں جانتا کہ میں تو کسی اور کا ہی شکار بن چکا ہوا ہوں پھر میں کس کا شکار کروں جو خود شکار ہے وہ کیسے شکاری بنے؟ لیکن سرِعام اور عالمگیر غلطی دیکھئے کہ شکار شکاری بنتا ہے۔ لیکن موت کا زبردست ہاتھ جب گردن پر پڑتا ہے۔ تو آنکھ کھلتی ہے۔ دیکھنے والے نے تو جو کچھ دیکھا وہ بتلا دیا۔ لیکن پڑھنے اور سننے والو! تم نے بھی اس راز کو جانا۔ ایک شاعر نے کہا تھا۔ ؎

کشتیٔ عمرِ رواں پر سوار بیٹھے ہیں سوار خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

سچ مچ نہیں جانتے کہ کب کال کا سانپ ہمیں ہڑپ کرے۔ ہر روز لوگوں کو کال کا شکار ہوتے دیکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی غفلت اور غلطی ملاحظہ ہو کہ وشیوں کو چھوڑنے کا نام نہیں لیتے۔ اور نہ ہی کال سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کال سے بے خبر ہم وشیوں میں پھنسنے ہوئے آنیوالے خطرہ سے بے خبر رہتے ہیں۔ لیکن آنکھیں بند کر دینے سے بلی کبوتر کو نہیں چھوڑ دیتی۔ ہر وقت اس دریائے دنیا میں بیشمار مینڈکوں کو سانپ کا شکار ہوتے پاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس سانپ سے بچنے کا کوئی اپائے نہیں کیا جاتا۔ وید بھگوان بتلاتا ہے کہ جس نے مجھے اپنا سکھا بنا لیا ہے۔ موت اسکے لئے موت نہیں بلکہ زندگی ہے۔ پھر کیا ہم اس خطرہ سے بچنا چاہتے ہیں؟ آہ! موت کے تیز جبڑوں میں گرفتار لوگ وید کے اس اعلان پر توجہ نہیں دیتے۔ اور وشے اسکت ہو کر اپنی زندگیوں کو تباہ کر رہے ہیں۔

اندھا کون ہے؟

دو خوبصورت ندیوں کے سنگم پر جہاں دونوں اپنی مستانہ رفتار سے چلتی ہوئیں ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالکر ایک ہو جاتی ہیں جس جگہ ملاپ ہونے پر پانی کی تالیاں بجنے کا دل خوش کن شور سنائی دیتا ہے۔ اسی جگہ دیوشرما اپنی دھرم پتنی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہاں پر رہتے مدت گذر گئی۔ سیاہ بال سفید ہو گئے لیکن آہ! دل کی مراد ہنوز بر نہ آئی۔ گھر میں اندھیرا ہے۔ بڑھاپا آ پہنچ اولاد کے لیے بھگتی اُپاسنا اور پرارتھنا کرتے کرتے عمر ڈھل گئی۔ لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آخر پچھلی عمر میں ایک اندھا لڑکا دیوشرما کے گھر پیدا ہوا۔ جس پر دیوشرما نے بڑی خوشیاں منائیں۔ وہ اندھا لڑکا آہستہ آہستہ بڑا ہونے لگا۔ اس کے باپ دیوشرما نے اُسے پڑھانا شروع کیا۔ اور لڑکا ابھی بیس برس کا بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ وہ بہت کچھ پڑھکر عقلمند بن گیا۔ اسکی اندرونی آنکھیں کھل گئیں۔

ایک دن جبکہ بارش کی وجہ سے سنگم کی ندیاں زوروں پر تھیں۔ سرد اور خنک ہوا چل رہی تھی۔ دیوشرما اپنے اندھے لڑکے کے پاس بیٹھا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں اندھے لڑکے نے دیوشرما سے پوچھا۔

کیوں پتا جی! پرش کس پاپ کر کے اندھا ہوتا ہے؟

باپ۔ جو پرش پہلے جنم میں رتنوں کی چوری کرتا ہے۔ وہ اس جنم میں اندھا ہوتا ہے۔

اندھا لڑکا۔ پتا جی! یہ بات کچھ شاستر وکت معلوم نہیں ہوتی۔ جبکہ بات یہ ہے کہ کارن کے جو گن ہوتے ہیں۔ وہی کاریہ کے گن شروع کرتے ہیں۔ پتا جی! اس

کیجئے میں جانتا ہوں۔ جو وجہ آپ کے اندھے ہونے کی ہے۔ اسی کے باعث میں بھی آپ کے گھر میں اندھا ہی پیدا ہوا ہوں۔

باپ اس بات کو سنکر حیران رہ گیا۔ میں کیسے اندھا ہوں۔ دیو شرما کو غصہ آگیا۔ اور اسنے کہا۔ کیوں رے میں کیسے اندھا ہوں؟

اندھا لڑکا:- پتا جی ناراض نہ ہو جیئے۔ سارے کھشٹ مکتی کے دینے والے پرماتما کی بھگتی اور اپاسنا آپ پتر کے لئے کرتے رہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آپ بھی اندھے ہیں۔ اور میں بھی اندھا ہوں۔ سبب پتا! اندر کے آسن پر بیٹھکر بھی اگر آپ نے مچھر مارا۔ تو یہ آنکھوں والوں کا کام ہے؟ پتا جی! وید شاستر کو پڑھکر اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بھی ایک موت کے کیڑے کے لئے دیوتوں کی بھگتی کرتے رہنا اندھوں کا ہی کام ہے۔ اور اُسے اندھا کہا جاتا ہے جس نے پتر کے لئے اپنے جنم بھر تپ کیا ہے۔ اور باوجود وید شاستر کے پڑھنے کے اسی میں لگے رہے ہو۔ وہ پتر تو بغیر کسی تپ کے پشوؤں کے ہاں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس انمول زندگی کو جس میں آپ نے مکتی حاصل کرنی تھی۔ جس میں بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھلانا تھا۔ جس نے دکھیوں کے دُکھ کو دور کرنا تھا۔ کیا اسی لئے تھی کہ آپ صرف ایک پتر کے لئے تپشیا میں گنوا دیتے؟ اس پرماتما کی بھگتی ایسی تُچھ غرض کے لئے کرنا ہی روحانی آنکھوں کے بے نور ہونیکا ثبوت دیتی ہے۔ اندھے لڑکے کی باتیں سنکر دیو شرما کانپ اٹھا۔ سچ مچ اس نے زندگی برباد کر دی۔ میں مکتی کے داتا سے یہ کیا مانگتا رہا۔ خزانوں کے مالک سے ٹھیکریوں کی التجا کرتا رہا۔ ہا! میں نے یہ کیا کیا۔ پڑھنے والو! سوچو تمہاری بھگتی۔ پوجا بندھنا بھی تو کہیں ایسی دوسری دنیوی اغراض کیلئے تو نہیں ہے؟ اگر اب تک یہ غلطی کرتے رہے ہو تو اب اس سے بچنے کی کوشش کرو۔

(۱۵)

آگ لگ گئی

"دتم جل رہے ہو" یہ سنسنی خیز فقرہ ایک سفید ریش بوڑھے نے ایک نوجوان کو کہا۔ اور پھر کہنا شروع کیا۔

"دیکھو تمہارے کان جل رہے ہیں۔ تمہاری آنکھیں جل رہی ہیں۔ تمہارے پاؤں اور ہاتھ جل رہے ہیں۔ تمہارے دل سے دھواں اٹھتا نظر آتا ہے تمہارا سینہ آگ سے جل رہا ہے۔ یہ آگ دن بدن تیز ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اگرچہ تم اس کی ہستی کو ابھی کم محسوس کرتے ہو۔ لیکن دیکھو یہ ساری آگ اب اکٹھی ہو جائیگی۔ آپس میں مل جائیگی اور پھر بلند شعلیں نکلیں گے۔ آگ بھڑکے گی۔ اور تم خاک سیاہ ہو جاؤ گے

نوجوان۔ میں اس بات کو سمجھ نہیں سکا۔

بوڑھا۔ نادان لڑکے! سامنے دیکھو چھ مختلف مقامات پر لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہے۔ اور اُن کو آگ جلا رہی ہے۔ ان لکڑیوں کی چھ ڈھیریوں پر ایندھن برابر ڈالا جا رہا ہے۔ ڈھیریاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ ذرا اور انتظار کرو۔ اور تم دیکھو گے کہ یہ ساری ڈھیریاں آپس میں مل جائینگی اور پھر آگ ایک خوفناک صورت اختیار کریگی۔ اس کے بلند شعلے آسمان تک پہنچیں گے اور آس پاس کی تمام چیزوں کو جلا ڈالیں گے

نوجوان۔ ہاں تو پھر میرا اس سے کیا تعلق ہے

بوڑھا۔ نادان ٹھیک اسی طرح تو بھی جل رہا ہے۔ تمہاری آنکھوں

میں آگ لگی ہے۔ کانوں میں لگی ہے، تمہاری خواہشات جل رہی ہیں۔ اور تمہارا دل اور سینہ جل رہا ہے۔ تم ان علیحدہ علیحدہ ڈھیریوں پر ہر روز نیا ایندھن ڈالتے رہے ہو تم آنکھوں کے راستے ان کا ناجائز استعمال کر کے ایندھن ڈالتے ہو، بُری خواہشات کے ذریعے تم خواہشات میں ایندھن ڈالتے ہو غصہ، الگیان، نفرت، انتقام اور ایسے ہی دیگر جذبوں کو دل میں لا کر تم دل میں ایندھن ڈالتے ہو۔ اور ان کی وجہ سے جو رنج، مصیبت، دکھ ناامیدی اور غم ہوتا ہے۔ ان کا ایندھن ڈال کر تم سینہ کو جلا رہے ہو۔

سنو سنو آگ بھڑک رہی ہے۔ یہ آگ کی ڈھیریاں دن بدن بڑھ رہی ہیں۔ تم نت نئے سورج نیا ایندھن ڈالتے جاتے ہو۔ اب تھوڑے ہی وقت میں ایک زبردست آگ جل اٹھیگی اس کے بلند شعلے تم کو سچ مچ تباہ کر دینگے۔

نوجوان۔ اُف اُف میں جل اُٹھا میں سچ مچ جل اٹھا۔ کیا میری اس آگ کو کوئی بجھانے والا نہیں۔ کیا یہ آگ کسی طرح سے بجھ نہیں سکتی۔

بوڑھا۔ آگ بجھ سکتی ہے، شعلے غائب ہو سکتے ہیں لیکن جو ایندھن پہلے پڑ چکا ہے وہ جلیگا۔ اور اپنی تپش پہنچائے بغیر نہیں رہیگا۔ لیکن یہ آگ بجھ سکتی ہے۔ اگر اس میں نیا ایندھن نہ ڈالا جائے۔ آنکھوں کے دروازے جب کھلیں تو محتاط رہو کہ ان میں کہیں جلانے والی، تڑپانے والی اور خاک سیاہ کرنیوالی تصویریں داخل نہ ہو جائیں۔

کانوں کے پردے جب ایک طرف ہوں تو ہوشیار رہو کہ کسی قسم کا آتشگیر مادہ اپنے اندر نہ آنے پاوے

خیالات کی طرف خاص طور پر نگاہ رکھو، اور خبردار رہو کہ یہ تباہ کن

ل بھڑکا دینے والے مادے کو اندر نہ آنے دیں۔ ان کو کبھی اجازت نہ دو۔ کہ برائی کی طرف جھکیں۔ اسی طرح سے پاؤں کو دیکھو کہ وہ چلکر کہاں جا رہے ہیں۔ کیا وہ ایسے مقام پر پہنچ رہے ہیں جہاں یہ مصیبت خیز آگ ہے۔ یا جہاں امرت بھگوان کے اپدیشوں کی امرت ورشا ہوتی ہے۔
ہاتھوں کو دیکھو۔ وہ کیا کام کر رہے ہیں۔ اور کیا لکھ رہے ہیں اسی طرح سے کل اعضاء اور تمام اندریوں کی طرف سے ہوشیار رہو۔ جذبات نفسانی کے قیود اس سے ٹوٹ جائینگے۔ اور تم آگ سے علیحدہ ہو جاؤ گے۔ پھر تمہارا من شانت ہو جائیگا۔ آگ بجھ جائیگی۔ اور اب تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ دوسروں کی آگ کو بھی بجھا سکو۔ اور تم مکمل سرور کے آنند کو حاصل کر سکو گے۔

اَنّ یا خون

گورو نانک گاؤں میں پرچار کر رہے تھے ایک غریب کسان اُن کے پاس آیا اور پاؤں پر سر رکھکر کہا مہاراج! آج مجھ داس کے گھر کا بھوجن گرہن کیجئے۔ گورو نانک نے ہنستے ہوتے چہرہ سے کہا اچھا بھائی جیسی تمھاری مرضی۔

وہ کسان پھولا نہ سمایا۔ دوڑتا ہوا گھر آیا۔ اور بڑے پریم سے اپنی استری کو کہا آج گورو نانک صاحب بھوجن کرینگے۔ اسکی پتی بوتا استری بڑی پرسن ہوئی۔ اسنے بڑے پریم اور اتساہ سے بھوجن تیار کیا مکی کی روٹی اور تازہ مکھن۔ تازہ ساگ اور چھاچھ کا لوٹا تیار کیا۔

ادہر یہ پریم اور اتساہ سے بھرا ہوا بھوجن تیار ہو رہا تھا۔ دوسری طرف گورو نانک کے پاس اسی گاؤں کا دولتمند نمبردار آیا۔ اور اسنے بھی بھوجن گورو نانک کے لئے کہا گورو نانک دیو نے اسے بھی منظور کیا۔

دولتمند نمبردار نے چھتیس قسم کے کھانے تیار کرائے نرم نرم پھلکے بنوائے سونے کے تھالوں اور سونے کے برتنوں میں اُن کو رکھا۔ پالکی میں بٹھا اور بھوجن گورو نانک دیو کے پاس لے چلا۔

اسی وقت غریب کسان بھی اپنے سر پر اپنا روکھا سوکھا بھوجن لے آیا کسی نے اسکی طرف دیکھنے کی بھی تکلیف گوارا نہ کی۔ سبھی دولتمند نمبردار کی تعریف کر رہے تھے۔ گورو نانک نے جب اس نظارہ کو دیکھا تو سب کچھ سمجھ گئے جب کسان نزدیک آیا تو اسے بڑی محبت سے گورو نانک نے پاس بٹھا لیا۔ اور

اس کا بھوجن کھانے لگے۔ جب نمبردار نے یہ نظارہ دیکھا تو اس کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ لیکن غصے کو ضبط کرکے اس نے کہا "مہاراج! آپ میرا مزیدار اور چھتیس قسم کا بھوجن چھوڑ کر ایسا موٹا ان کیوں کھاتے ہیں۔ یہ آپ ٹھیک نہیں کر رہے" ان ہتک آمیز الفاظ کو سنکر مجلس حیران رہ گئی۔ اور گورو نانک کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔

گورو نانک مسکرائے اور کہا معلوم ہوتا ہے۔ کہ سبھی لوگ وجہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ میں کیوں موٹا ان کھا رہا ہوں۔ دیکھو! یہ کہکر انہوں نے نمبردار کے لائے ہوئے بھوجن میں سے چار پانچ نازک نازک روٹیاں اٹھائیں۔ اور ان کو دونوں ہاتھوں سے دبایا۔ کہاوت ہے کہ ان روٹیوں میں سے خون کی دھار نکلی۔ جسے دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ گورو نانک دیو نے کہا۔ کیا یہ بھوجن کسی دھرم نگ انسان کے کھانے کے قابل ہے؟ اور غریبوں کا خون نچوڑ نچوڑ کر پیسوں کا ڈھیرہ ادھر ادھر کر اکٹھا کیا ہوا ان کیا موٹے ان سے برا نہیں۔ اس لئے میں نے یہ ان نہیں کھایا اور غریب کسان کا ان جو پسینہ کی کمائی ہے میں نے کھایا ہے۔

یہ ایک کہاوت ہے۔ سچی یا جھوٹی۔ اس سے مطلب نہیں۔ لیکن ایک بات ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے۔ کہ جب تم کھاؤ۔ تو سوچو کہ تم کیا کھا رہے ہو۔ کیا یہ غریبوں۔ بے کسوں اور بے بسوں کا خون تو نہیں۔ کیا یہ مظلوموں کی آہ سے زہر ہوا ہوا ان تو نہیں۔ جو اس طرح سوچ کر شدھ ان کھاتے ہیں۔ وہی سکھی ہوتے ہیں۔

تم کیا ہو؟

"دنیا میں لنگڑے - اپاہج - اور اندھے بیشمار ہیں"

یہ آپ کیا کہتے ہیں - مردم شماری اس کے برخلاف کہتی ہے - اور یوں بھی ہمارے ہی شہر میں دو لنگڑوں اور ایک اندھے کے سوائے باقی سب تندرست ہیں"

"نہیں اندھے دیکھنے والوں کی نسبت زیادہ ہیں - ٹانگوں والوں کی نسبت لنگڑے اور اپاہج زیادہ ہیں"

"غلط ہے - جھوٹ ہے یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں -"

"سنو! ایک آدمی کے تین لڑکے تھے - ایک لنگڑا اور اپاہج تھا اسکے نہ ہاتھ تھے نہ پاؤں تھے - وہ اپنے والدین کی کچھ بھی خدمت نہیں کر سکتا تھا - دوسرا اندھا تھا - اسلئے وہ بھی والدین کی خدمت کرنے سے قاصر تھا - لیکن تیسرا لڑکا تندرست - اور خوبصورت اور بلوان تھا - ہی اپنے ماتا پتا کی سیوا کرتا تھا اور عزت پاتا تھا -

اسی طرح سے دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں:-

(۱) پہلے تو وہ ہیں - جو آلسی - کنجوس ہیں - اور پاپی ہیں -

(۲) دوسرے وہ ہیں - جو دشٹ لمپٹ ہیں وشیوں میں پھنسے ہوئے ہیں -

(۳) تیسرے وہ ہیں - جو اودار ہیں ہوشیار ہیں اور ہر ایک کی مدد کرنے پر تیار ہیں

اب دیکھو جو آلسی کنجوس - اور پاپی ہیں - وہ تو لنگڑے اور اپاہج سے کم نہیں -

وہ نہ تو انہیں دھرم اپدیش سنتے جاتے ہیں - اور نہ وہ سے چھڑ دان دیتے ہیں - ہاں گھر پر ہی بیٹھے پاپ کرتے رہتے ہیں - ایسے لوگ اپنے پتا پرمیشور کی کوئی سیوا نہیں کر سکتے -

اور جو دھٹے پلیٹ ہیں - وشیوں میں پھنسے ہوئے ہیں - وہی اندھے ہیں کیونکہ وہ آنند کے خیال سے آنکھیں بند کئے اپنی تباہی آپ کر رہے ہیں - اُنکی آنکھوں کے آگے عیش و عشرت اور دُنیا کے دوسرے پاپوں کا پردہ پڑا رہتا ہے جس سے وہ نہ تو اپنے پیارے پتا پرمیشور کو دیکھ سکتے ہیں - اور نہ ہی ان کے دل کے اندر کبھی اسکی سیوا کا خیال آسکتا ہے - ایسے لوگ درحقیقت اصلی معنوں میں اندھے ہیں -

باقی رہے اُدار - ہوشیار اور دانی لوگ یہی صرف تندرست خوبصورت اور بلوان ہیں - یہ ہاتھوں سے دان دیتے ہیں - پاؤں سے چلکر دھارمک سبھوں میں جاتے ہیں - دکھیوں کی مدد کرتے ہیں - بے بسوں بیکسوں اور پیڑت لوگوں کو سہارا دیتے ہیں - اور اس طرح اپنے پیارے پتا کی سیوا کرتے ہیں - ایسے ہی لوگ اصل میں عزت پاتے ہیں ایشور ان کو پیار کرتا ہے اور انہیں گیان دیکر وہ رتبہ دیتا ہے - جسے مکتی کہتے ہیں -

اب آپ ان تینوں قسم کے آدمیوں پر نظر دوڑا کر بتاؤ - کہ دنیا میں لنگڑے اپاہج اور اندھے زیادہ ہیں یا تندرست ؟

"اس حساب سے تو بہت کم لوگ تندرست نظر آتے ہیں"

"لوگوں کو چھوڑو تم اپنے آپکو دیکھو کہ تم لنگڑے ہو - اپاہج ہو - اندھے ہو تندرست ؟ - اس سوال کا جواب مجھ سے ملتے دیکھکر پھر سوال ہوتا ہے -

وہ خیر تم اب تک لنگڑے اپاہج یا اندھے تھے - تو اب ہی کوشش کرو کہ تم تندرست ہو جاؤ - اور اپنے پتا کی سیوا کرو -

ایک راز

دریا فراخ تھا۔ لہریں زور پر تھیں۔ پانی کا شور لہروں کے تھپیڑوں کا زور ایک عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ اس دریا کے اتھاہ پانی میں کشتیاں تھیں جو ادھر اُدھر تیرتی پھرتی تھیں۔ انہیں نہ لہروں کا خوف تھا، نہ تھپیڑوں کا خطرہ، نہ پانی کی پرواہ۔ کشتی پر سوار لوگ ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر آ رہے تھے۔

ادھر یہ منظر تھا۔ دوسری طرف ایک اور ہی واقعہ ہو رہا تھا۔ کچھ کشتیوں میں پانی بھر گیا تھا۔ آہستہ آہستہ پانی ان میں زیادہ ہوتا گیا۔ ہوتے ہوتے وہ سب لبالب بھر گئیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ڈوب گئیں۔

سمجھتے ہو یہ کیا ہوا؟ جانتے ہو۔ دریا کا اتھاہ پانی پہلی کشتیوں کیوں غرق نہ کر سکا۔ اور کشتی کے تھوڑے سے پانی سے دوسری کیوں ڈوب گئیں۔

پہلی کشتیوں نے پانی کو اپنے اندر جگہ نہیں دی اور دوسری کشتیوں نے پانی کو اپنے اندر آنے دیا۔ اسی لئے پہلی کشتیاں بچی رہیں۔ اور دوسری ڈوب گئیں۔

لیکن یہ نظارہ صرف اتنی ہی بات کو ظاہر نہیں کرتا۔ یہ کچھ اور بھی بتلاتا ہے۔ یہ ایک راز کا انکشاف کرتا ہے۔ یہ واقعہ انسان کو دنیا کے اندر بے انتہا سمندر کے اندر رہنے کا طریق سکھلاتا ہے۔ یہ زبان حال

ے سبق دیتا ہے۔ کہ دنیا کے اندر رہو بلاشک رہو۔ دنیا کو دیکھو اور
ں سے حظ اٹھاؤ۔ اس پر تیرو اور لوگوں کو بھی اس سے وار پار پہنچانے
کام کرو۔ لیکن خبردار دنیا کو اپنے دل کے اندر نہ آنے دو۔ دنیا
ہرگز موقعہ نہ دو۔ کہ وہ آپ کے دل میں سوراخ کرے۔ اور اس
پ راستے اندر داخل ہو۔ اگر یہ ایک دفعہ داخل ہو گئی۔ اور پھر
سے نکالا نہ گیا۔ تو یہ دنیا دنیا کے سمندر میں تم کو اسی طرح غرق کر
ں۔ جس طرح کشتی دریا میں غرق ہو گئی۔

اپنے دل کے اندر ایشور بھگتی کا روغن ایسی مضبوطی سے کرو کہ
وی پانی اس پر کچھ اثر نہ کر سکے۔ یہ ہے طریقہ دنیا کے اندر رہنے کا
لوگ دنیا میں اس طرح رہتے ہیں۔ وہ دوسروں کے لئے بھی
بھلائی کا کام کرتے ہیں۔ اور خود بھی تر جاتے ہیں۔ اسی طرح ایشور بھگت
ت کرا جو ہر روز یہ التجا کریں۔ کہ ہے ایشور! اے

میں مبرا رہوں ہر پاپ سے یوں تیری طرح
رہوں دنیا میں بھی دنیا سے نیارا ہو کر
نغمے تیری ہی محبت کے بھرے شاخ شجر
گلشن دہر میں گاؤں میں ہزار ہو کر
ورد ہو تیرا ہی اک نام زباں پر ہر دم
مستغرق صورت رہے آنکھوں کا نظارہ ہو کر
تیری الفت میں رہے خورسند ہمیشہ سرشار
دل میں بس میرے دل و جان سے پیارا ہو کر

خفیہ راز

خوبصورت من ہرن بدری کے آشرم میں سنت کمار وغیرہ چاروں رشی ابھی آکر ٹھہرے ہی تھے۔ کہ انہوں نے نارد منی کو حیران اور پریشان اور فکر میں مستغرق دیکھا۔

نارد منی اور حیران ہوا۔ سچ مچ حیرانگی کی بات ہے۔ سنت کمار آگے بڑھے۔ نارد کو پکارا۔ نارد! یہ کیا حالت بنی ہوئی ہے۔ کس لئے غم کی صورت بنا رکھی ہے۔

نارد منی نے کہا۔ کیا پوچھتے ہو۔ کیا دنیا کا رنگ آپ کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ دنیا میں نہ ستیہ رہا ہے نہ تپ رہا ہے۔ نہ کہیں دان ہے۔ اگر ہے بھی تو بالکل الٹا جس سے بجائے فائدے کے نقصان ہو رہا ہے۔ تمام انسان آلسی، مورکھ اور طرح طرح کے روگوں سے پیڑت ہو رہے ہیں۔ چاروں طرف ہاہاکار مچا ہوا ہے۔

میں نے دیکھا ہے۔ اور میری آنکھوں نے خون کے آنسو بہائے ہیں۔ کہ "بھگتی" رسوا و خراب ہو رہی ہے۔ بھگتی کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ اگر کہیں بھگتی دکھلائی دیتی بھی ہے۔ تو وہ محض طمع سازی ہے۔ جھوٹ ہے اور فریب ہے۔ پھر اور ظلم دیکھئے۔ کہ "بھگتی" کے پیارے پُتر گیان اور ویراگ تو بالکل تباہ ہو گئے ہیں گیان اور ویراگ جو بھگتی کے لئے نہایت لازمی ہیں۔ کسی کے

ں یں بھی نظر نہیں آتے۔ اور گیان و ویراگ کے بغیر خشک بھگتی
ض فضول اور نکمی ہے۔ تلسی داس جی نے کیسی خوبصورتی سے
ں مطلب کو ظاہر کیا ہے۔ سے

رین کو بھوشن اندو ہے۔ دوس کو بھوشن بھان
داس کو بھوشن بھگتی ہے بھگتی کو بھوشن گیان
گیان بھوشن دھیان ہے دھیان کو بھوشن تیاگ
تیاگ کو بھوشن شانتی پد تلسی امل اداگ

اے سچے رشیو! میرا دل اس وقت غم و فکر سے لبریز ہے۔ دنیا کی
ی پیرت اوستھا دیکھی نہیں جا سکتی۔ چاہتا ہوں کہ دنیا کے اندر
ھگتی کا پرچار ہو۔ لوگ ایشور کے سچے بھگت بنیں۔ اسی فکر میں
ں چاروں دشاؤں میں گھوم آیا ہوں۔ لیکن کسی نے بھی تو
یرے دل کو شانتی نہیں دی۔ کوئی بھی تو میرا امددگار ثابت نہیں ہوا۔ کہو
یو! کیا آپ بھی مجھے تراش ہی رکھینگے۔ یا مجھے بتلائینگے۔ کہ وہ کون سے
ت کرم ہیں۔ جن سے بھگتی بڑھ سکتی ہے۔

رشیوں نے نارد منی کی اس دلدوز تقریر کو سنا۔ سنت کمار نے
ر آگے بڑھ کر نارد کو چھاتی سے لگا لیا۔ دھنیہ نارد منی دھنیہ ہو جسے
ھگتی کا اسقدر خیال ہے۔ سنو آج ہم تمہیں بھگوان کو پراپت کرانے
الی بھگتی کا اپدیش دیتے ہیں۔ آج وہ خفیہ راز بتلاتے ہیں جس
ے نہ صرف بھگتی، گیان اور ویراگ پورے طور پر ملتے ہیں۔ بلکہ
ی ایسا میٹھا پھل بھی حاصل ہوتا ہے۔

ہے نارد! جب درویہ وغیرہ سے کیا جائے۔ وہ "درویہ یگیہ" کہلاتا
ہے۔ جو دھیان آدمی کے ذریعہ کیا جائے اسے لوگ "یگیہ" کہتے
ں۔ اور جو اگنیشٹوم کی ودھی سے کرتے رشا ستر ارتھ کے ذریعہ

انوسار جیسے جیسے کسی نے یگیہ کیا۔ اس کے مطابق اسورگ آدی پھل دینے والے ہیں۔

ایسے اعلیٰ یگیوں سے صرف سورگ ہی ملتا ہے۔ موکش نہیں پھر کونسا ایسا ست کرم ہے جو باقی رہ گیا ہے۔ سنو نارد! موکش پراپتی کی بدھی ہو کر اس کے ذریعہ جو پرمیشور کی بھگتی کی جاتی ہے اسکو ہی وِدوان لوگ بھگتی کہتے ہیں۔ لیکن سوال ابھی درمیان میں ہی ہے۔ کہ وہ موکش پراپتی کی بدھی کہاں سے آئے۔ اس کے لیے وِدوانوں نے کہا ہے۔ کہ وید ادھیاین کے دوارا سوادھیائے یگیہ کو کرتے ہوئے ایسی بدھی پراپت ہوتی ہے۔

ہے نارد! یہی ستیہ کرم ہیں۔ یہی سوادھیائے یگیہ کرتے کرتے تم کو ستیہ کرموں کا گیان ہو جائیگا۔ بھگتی کی بدھی سوادھیائے سے پیدا ہوتی ہے۔ گیان سوادھیائے سے اتپن ہوتا ہے۔ بھگتی سچے ہردیہ سے ہو۔ تو گیان کے نیتر کھل جاتے ہیں۔ اگر گیان کے نیتر شاستر انکول کھل گئے ہیں۔ تو ویراگ کا انند حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر ویراگ پورے طور پر من میں پیدا ہو گیا ہے۔ تو موکش کی پراپتی ہوتی ہے۔

یہی اپدیش ہے۔ اسی کا لوگوں میں پرچار کرو۔ لوگوں کو سوادھیائے کی طرف لگاؤ۔ پھر وہ خود بخود ایشور بھگت بن جائینگے۔

اوپ نشدوں شاستروں رامائن مہابھارت منوسمرتی کے آریہ بھاشیہ ہمارے ہاں سے طلب کرو۔

ریلوے سٹیشن کی خالی اور پُر گاڑیاں

بھیڑ بھڑکا تھا۔ لوگوں کا جم غفیر تھا۔ ریلوے پلیٹ فارم پر ایک شور مچا ہوا تھا۔ سامنے بہت سی گاڑیاں خالی کھڑی تھیں۔ ان کا رنگ و روغن نفیس تھا۔ اندر گدیلے تھے۔ آرام کا سامان تھا۔ اور ہر طرح کی سہولیت تھی۔ لیکن پلیٹ فارم پر کھڑی خلقت کی نظریں ادھر ہی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اتنے میں گڑگڑاہٹ کا شور مچاتی بھیپ بھیپ کرتی ہوئی گاڑی آکر سامنے کھڑی ہو گئی۔ سارے کمرے مرد عورتوں اور بچوں بوڑھوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ لیکن گاڑی کے دروازے کھلے اور لوگ جوق در جوق اندر داخل ہونے لگے۔ گاڑی کے اندر کے لوگ پہلے ہی تنگ بیٹھے تھے کہ اب یہ نئی آفت آپڑی۔ اب دھکم دھکا ہے۔ ریل پیل ہے۔ بچے روتے ہیں بوڑھے لڑکھڑا کر گرتے ہیں۔ نوجوان پسے جاتے ہیں۔ کسی کی پگڑی اتر گئی۔ کسی کی ٹوپی اچھل گئی۔ لیکن سبھی یہ کوشش کرتے ہیں۔ کہ کسی طرح گاڑی میں بیٹھنے کی نہ سہی۔ کھڑے ہونے کو ہی جگہ مل جائے۔ بعض دل چلوں نے تو گاڑی کے فٹ بورڈ پر ہی پاؤں ٹکانے کے لئے جگہ مل جانا غنیمت سمجھا ہے۔

یہ سارا نظارہ ہے۔ ایک طرف بالکل خالی آرام دہ گدیلے اور پنکھوں والی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ دوسری طرف اس گاڑی میں یہ دھکم پیل ہو رہا تھا۔ اسی نظارہ کو ایک بے فکرا کھڑا دیکھ

رہا تھا۔ عجب احمق ہیں۔ اور گاڑیاں خالی کھڑی ہیں۔ ان میں نہیں چڑھتے۔ اور اسی ایک میں گھسا گھس بھرتی ہوتے چلے جا رہے ہیں ان لوگوں کو عقلمند کون کہیگا۔ بھلا اتنی تکلیف اتنی سر دردی۔ اتنی مصیبت اتنی کش مکش۔ اتنی تھکا دینے واسطے جد و جہد کی ضرورت کیا ہے۔ یہ سب ان خالی گاڑیوں میں جاکر کیوں سوار نہیں ہوجاتے یہ بے فکرا یہی سوچ رہا تھا۔ اس کے ان خیالات نے اسکے چہرے کا رنگ بدلا۔ ہونٹ ہلنے لگے۔ اور وہ کوئی آواز نکالنے ہی لگا تھا۔ کہ گاڑی نے وسل کیا۔ اور یہ جا وہ جا نظروں سے دور ہو گئی پیچھے سے وہ ہنسا اس نے قہقہہ لگایا۔ عجب احمق ہیں۔ واہ آج عجب لوگ دیکھے اب مفت کی تکلیف میں پھنسے رہیں گے۔"

پڑھنے والے کچھ سمجھا؟ کیا ہوا؟ ریلوے سٹیشن کے ان نظاروں کو دیکھنے والا تو ایک ہی بے فکرا ہے جو خالی گاڑیوں کو چھوڑ کر بھری گاڑیوں میں سوار ہونے والوں کی عقل پر ہنسی اُڑا رہا ہے لیکن دُنیا کے سٹیشن پر بے شمار ایسے لوگ ہیں۔ جو سچ مچ آرام دہ گدیلوں والی کھڑی ہوئی گاڑیوں میں آرام کر رہے ہیں۔ اور انہیں اپنے منزل مقصود کا کچھ پتہ نہیں۔ بھری گاڑیوں میں سوار ہونے والوں کے سامنے ایک منزل مقصود ہے۔ جس پر پہنچنے کے لئے وہ تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ دھکے کھاتے ہیں۔ انکی پگڑیاں اچھالی جاتی ہیں۔ بے عزتی کو بھی وہ سہتے ہیں۔ اسی جد و جہد میں چوٹیں بھی آتی ہیں پسینہ بھی بہتا ہے۔ لیکن ایک منٹ کے لئے بھی تو وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ کیوں تکلیف برداشت کریں۔ کیوں نہ آرام وہ گدیلوں والی خالی گاڑیوں میں آرام کر لیں۔ لیکن تعجب ہے۔ اور حیرت انگیز تعجب ہے کہ دُنیا کے

سٹیشن پر بہت کم لوگ ایسے نظر آتے ہیں۔ جو منزل مقصود پر پہنچانے والی گاڑی پر سوار ہوتے ہیں۔ بلکہ زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو مزے سے خالی کھڑی گاڑیوں میں خواب غفلت میں سوئے پڑے ہیں۔ بتاؤ اب کس جماعت پر قہقہہ لگایا جائے افسوس لوگ ہر روز سٹیشنوں پر ایسے نظارے دیکھتے ہیں۔ اور پھر بھی اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے ان سے سبق حاصل نہیں کرتے۔ کہو تم کن میں ہو۔ خالی کھڑی آرام دہ گاڑیوں میں آرام کرنے والے یا منزل مقصود پر پہنچانے والی پر گاڑی میں جدوجہد سے سوار ہونے والے ؟۔

قدرت کے کھیل

ممتاز ناول نویس رائے بہادر بابو بنکم چندر چیٹرجی بی۔ اے سی۔ آئی۔ ای کا ایک لاجواب ناول جسے پنجاب کے مشہور لطیف رقم مسٹر سدرشن جرنلسٹ لاہور نے بکمال صحت و صفائی سے ترجمہ کیا ہے شاعرانہ حسیات انسانی جذبات اور قدرت کے حیرت انگیز واقعات کا مطالعہ کرنا ہو تو یہ ناول دیکھو جسکا ایک ایک لفظ موتیوں کے تول تولنے کے قابل ہے۔ بنگال کا دماغ کیسا بلند پرواز واقعہ ہوا ہے دیکھنا ہو تو اسے پڑھو۔ قیمت صرف ۱۰/ ملنے کا پتہ

رائے لاجپت پرتھوی راج تاجران کتب لوہاری گیٹ لاہور

دماغ میں فتور؟

صبح صادق تھی۔ سردی زوروں پر تھی۔ خوبصورت پھولوں کا باغ تھا۔ بوٹوں کے ساتھ کانٹے تھے۔ اور انکی ایک ایک ٹہنی سے مالی پھول توڑ رہا تھا۔ کانٹے چبھتے تھے۔ خون نکلتا تھا لیکن مالی پھول توڑنے میں مشغول تھا۔ صبح گذر گئی۔ سردی کم ہو گئی۔ سورج تیزی سے چمکنے لگا۔ دھوپ نے گرمی پیدا کر دی۔ حتےٰ کہ دوپہر کو پسینہ آنے لگا۔ لیکن مالی بدستور خوشبودار خوبصورت پھول توڑنے میں مشغول تھا۔ اسی طرح دوپہر بھی گذر گئی۔ شام سر پر آپہنچی۔ مالی نے ایک بڑا بھاری ٹوکرا پھولوں کا پکڑ لیا۔ اور سر پر اٹھا کر شہر کی طرف جلدی جلدی قدم بڑھانے لگا۔

اندھیرا ابھی پھیلا نہیں تھا۔ سورج دنیا کو جھانک جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ آسمان پر سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ مالی کو تیزی سے چلتے ہوئے دیکھ کر ایک آدمی نے پوچھا۔ اتنی جلدی کیا ہے کہاں جا رہے ہو۔

مالی۔ باغ سے پھول لے کر گھر جا رہا ہوں۔

آدمی۔ ان پھولوں کے کیا ہار بناؤ گے؟

مالی۔ نہیں عطر کھینچوں گا۔

آدمی۔ پھر کیا کرو گے

مالی۔ اس کا ایک دو بار عطر کھینچوں گا۔

آدمی۔ پھر اس عطر کے عطر کو کیا کرو گے۔

مالی۔ تیسری بار پھر اسی عطر کا عطر کھینچ لیگا
آدمی۔ اتنے بھاری لوکرا میں سے وہ تیسری بار نکالا ہوا عطر کتنا رہ جائیگا۔
مالی۔ ابھی اسی پر بس نہیں۔ چوتھی بار پھر عطر نکالوں گا۔ اور اتنے پھولوں سے چوتھی مرتبہ کے نکلے ہوئے عطر کا وزن دو تولے سے زیادہ نہیں ہوگا۔
آدمی۔ اوہو اتنی بڑی محنت کے بعد اتنا ہی عطر نکلیگا۔
مالی۔ ہاں اتنا ہی مل سکتا ہے۔
آدمی۔ پھر اس دو تولہ عطر کا کیا بناؤ گے
مالی۔ نالی میں گرادونگا۔

اس جواب پر اس آدمی نے قہقہہ لگایا عجیب بیوقوف انسان ہے۔ اتنی محنت۔ عرق ریزی۔ سر دردی اور کوشش کے بعد اپنی ساری محنتوں اور کل کوششوں کو نالی میں پھینک دیگا۔ یا ٹھک بھی مالی کے آخری جواب پر ہنسینگے۔ اور کہیں گے۔ کہ بلا شک وشبہ مالی کے دماغ میں فتور ہے۔ لیکن ٹھہرو۔ ذرا سنبھلو اور سوچو کیا سچ مچ آجکل ہم اسی مالی کی طرح عمل نہیں کر رہے ؟ کتنے لوگ ہیں جو برہمچریہ کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں۔ اور عطر سے بھی انمول ویریہ کی حفاظت کرتے ہیں ویریہ جسم کی جیوتی ہے۔ نہایت محنت سے تیار ہوتا ہے کئی مرحلوں سے گذرتا ہے۔ اور پھر جا کر خالص عطر یا ویریہ بنتا ہے لیکن دماغ کا فتور ملاحظہ ہو کہ انمول چیز کو رائیگاں جانے دیا جاتا ہے۔ اسکی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور برہمچریہ کے طریقوں پر عمل نہیں کیا جاتا آج سوچو کہ کیا تمہارے دماغ میں فتور تو نہیں ہے ؟

پہلا اور پچھلا لطیفہ

چھوٹے بچے تھے۔ اردو کے قاعدہ میں لطیفے پڑھا کرتے تھے۔ ایک لطیفہ بڑا مزیدار تھا۔ پڑھ پڑھ کر قہقہے لگاتے تھے۔ سن سن کر مخول اڑاتے تھے۔ لطیفہ تھا:

ایک شخص کا گھوڑا چور لے گئے۔ دوست۔ یار۔ آشنا۔ اظہار افسوس اور ہمدردی کرنے آئے۔ دیکھا کہ وہ خدا کے شکرانہ میں گرا ہے۔ دوستوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ کہ خدا کے شکر کا یہ کونسا موقعہ ہے۔ اس نے کہا۔ دوستو! خدا کا شکر کرو۔ کہ میں گھوڑے پر سوار نہ تھا۔ ورنہ چور مجھے بھی لے جاتے۔

اس لطیفہ کو پڑھ پڑھ کر ہنستے تھے۔ لیکن کیا خبر تھی کہ بڑے ہو کر خود اس قسم کا مجسم لطیفہ بننا پڑیگا۔ اب سوچتے ہیں۔ غور و فکر کرتے ہیں۔ کہیں وہ شخص ہمیں تو نہیں۔

پرماتما نے ہمیں سواری کے لئے ایک گھوڑا دیا۔ اور کہا عزیزو! جاؤ اس پر سوار ہو کر مکتی دھام کو پہنچ جاؤ۔ لیکن ہم نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟ اپنے آپ کو ہی گھوڑا سمجھنے لگ گئے۔ گھوڑے کی پرورش اور حفاظت تو بیشک ضروری تھی۔ لیکن ہم نے گھوڑے کے ہی آرام کو پورا کرنے اور اسی کی خواہشات کے مطابق کام شروع کر دیا۔ گھوڑے کی آنکھوں نے کہا مجھے خوبصورت نظارے دکھلاؤ۔ ہم نے آنکھوں کو وہیں پہنچایا۔ لو دیکھو۔

گھوڑے کے کانوں نے کہا مجھے بھی آواز سناؤ سُر تال سے گاتے ہوئے راگیوں کے پاس لے چلو۔ چھنا چھن کی خوش آئند آواز کے پاس لے چلو ہم نے کانوں کے لئے سارے سامان بہم پہنچائے

ناک نے کہا سب کے لئے کام کرتے ہو میرے لئے اعلیٰ خوشبویات بہم کیوں نہیں پہنچاتے ؟ میں بگڑ جاؤنگا۔ ہم نے فوراً عطر مہیا کئے۔

زبان بولی میرے چسکے کا بھی خیال ہے؟ مجھے تو اعلیٰ اعلیٰ مزیدار کھانے درکار ہیں۔ اگر کھانے لذیذ نہ ہوئے تو میں کھاؤنگی ہی نہیں۔ بھوکے مر جاؤ گے۔ ہم نے اس کے لئے لذیذ کھانے تیار کئے بٹیر یا تیتر کے گلے پر چھری پھیری۔ انکے کباب بنائے اور زبان کا چسکہ پورا کیا

ادھر سے فرصت ملی تو دل للچایا۔ وہ کہیں اور ہی طرف لے بھاگا۔ اسی دھندے میں انہی خاطر داریوں میں ہم اپنے آپ کو بھول گئے۔ پرماتما نے گھوڑا ہمیں سواری کے لئے دیا تھا۔ گھوڑا ہم پر سوار ہو گیا یہی نہیں بلکہ ہم نے اپنے آپکو گھوڑا سمجھنا شروع کر دیا۔ یہی تو لطیفہ ہے۔ اب اگر اس گھوڑے کو کوئی چرا لے جائے تو سمجھتے ہیں کہ ہم بھی پھانسی پر لٹک رہے ہیں۔ یہ لطیفہ نہیں تو اور کیا ہے ؟

پہلے لطیفہ پر جو قہقہہ لگاتے تھے۔ اب اس پر بھی ہنسو لیکن ہنسو گے کیا خاک ؟ پشچاتاپ کرو۔ رُدن کرو۔ اور سمجھو کہ تم گھوڑے نہیں ہو گھوڑے کے سوار ہو۔ تمہارا مقصد گھوڑے کی ہی خاطر داری کرنا۔ اور اسی میں اپنا وقت اپنی محنت اپنا روپیہ اور دولت ضائع کرنا نہیں بلکہ اسکی مناسب پرورش کرتے ہوئے اس پر سوار ہو کر مکتی دھام تک پہنچنا ہے جو لوگ اس مقصد [illegible] دھیان نہیں دیتے۔ وہ اس قاعدہ سے بےخبر شخص کی طرح [illegible] ان کی حالت قابل رحم ہے۔

تیار ہو؟

بندوق کا نشانہ بننے کیلئے

گورو گوبند سنگھ جی ملک مالوہ کی سیر میں مشغول تھے۔ اس اثناء میں مالوہ کا ایک سردار ڈلہ آپکے پاس پہنچا۔ مہاراج! آپ نے آنند پور کی مشہور لڑائیوں میں میرے جان نثار و وفادار بےخوف جوانوں کو کیوں یاد نہ فرمایا۔ جو ہر طرح اپنی جان نثار کرنے کے لئے تیار تھے"۔

گورو گوبند سنگھ نے اس غرور بھرے کلمے کو سنا اور خاموش ہو رہے۔ ایکدن گورو گوبند سنگھ جی کو کسی نے ایک دونالی بندوق تحفتاً بھیجی۔ گورو گوبند سنگھ جی نے کہا۔ آج اس ڈلہ کے جان نثاروں کا امتحان ہو جائے تو اچھا۔ ڈلہ کو طلب کیا اور کہا۔ دیکھو آج ہمارے پاس یہ دونالی بندوق آئی ہے اسکا نشانہ آزمانے کی ضرورت ہے جس کے واسطے ایک جوان چاہیئے۔ اور چونکہ تم نے کہا تھا کہ تمہارے پاس بہت سے جان نثار جوان ہیں۔ اس لئے لاؤ آج ایک جوان کو تاکہ اس بندوق کا نشانہ آزمایا جائے۔ کہ کیسا نشانہ لگاتی ہے۔

ڈلہ کے جان نثار نوجوان بھی ساتھ ہی تھے۔ ڈلہ نے انکی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ سب کی گردنیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ کلیجہ دھڑک رہا تھا۔ بہادر جوانوں میں سے ایک بھی تو نہ نکلا۔ جو اس نشانہ کے سامنے [illegible]

رکھنے کے لئے کھڑا ہوتا +

یہ خاموشی یہ سناٹا اور خوف وہراس سے کانپتے اور ڈرتے ہوئے ان جوانوں کا نظارہ دیکھ کر گورو گوبند سنگھ جی نے اپنے آنند پوری جان نثار جوانوں کو اپنا سندیسہ پہنچایا - جو اُن کے ہمرکاب تھے - اسیوقت ایک آدمی اُٹھا - اور گورو گوبند سنگھ جی کے نشانہ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کی - مہاراج! آج دنیا میں میرے ایسا اور کوئی دوسرا خوش قسمت نہیں ہے - جس کا جسم آپکی بندوق کا نشانہ بنے گا

گورو گوبند سنگھ نے کہا گولی آتی ہے - تیار رہو - قربانی کے میدان میں کھڑے جان نثار نے سر تسلیم خم کیا - لیکن ذرا بھی جنبش نہیں دکھلائی - اور لوگوں نے دیکھا - کہ بندوق سرکی نئی ہے - اور جان نثار اپنی جان نثاری میں پورا اُترا ہے لوگ اس کا نام بیر سنگھ بتلاتے ہیں

پڑھنے والو! آریہ سماج میں اپنا نام درج کرانیوالو! جانتے ہو - کیا ہوا - سوچو کہیں تم ڈلہ کے جوانوں کی طرح تو جان نثار نہیں ہو؟ جنہوں نے آریہ سماج میں داخل ہو کر ویدک دھرم پرچار کا نشانہ بننے کا پرن کیا ہوا ہے - سوچو کہ یہ جو بار بار نشانہ بننے کی پکار ہوتی ہے - اس کے لئے کوئی میدان میں بھی نکلتا ہے - یا نہیں؟ یہ جو آئے دن اپیلیں ہوتی ہیں - ان کی بھی شنوائی ہوتی ہے یا نہیں - کہیں تم ڈلہ کے بناوٹی جان نثار تو ثابت نہیں ہو رہے اس طرح اسی پر غور کرو - اور بتلاؤ کہ بیر سنگھ ایسے جان نثار بننے کے لئے تیار ہو یا نہیں؟

کپڑے پر صابن

کپڑا میلا تھا اور بالکل غلیظ ہوگیا تھا۔ ساجن کو ہدایت ہوئی
تھی۔ کہ یہ کپڑا صابن سے سفید اور صاف ہوجائیگا۔ ساجن نے
صابن بازار سے لیا۔ دریا کنارے گیا پختہ گھاٹ پر بیٹھ گیا۔ کپڑے
کو پانی میں بھگویا۔ اور گھاٹ پر رکھدیا۔ جیب سے صابن نکال
کر بھگوئے ہوئے کپڑے کے اوپر رکھدیا۔ اور خود ذرا فاصلے پر
بیٹھ گیا۔ صبح کا وقت گذر گیا۔ دوپہر ہوگئی دھوپ نے ساجن کو
وہاں سے اٹھنے کے لئے مجبور کیا۔ ساجن اٹھا اور درخت کے سائے
تلے ہو بیٹھا۔ کپڑے کے اوپر صابن ویسے ہی رکھا تھا۔ دور بیٹھا ہوا
ساجن بار بار اٹھ اٹھ کر دیکھتا ہے۔ کیا کپڑا صاف ہوگیا۔ کیا
سفید ہوگیا؟ لیکن اسے وہی سیاہی وخاک کی ڈھیری سی نظر آتی
ہے۔ ساجن بڑبڑاتا ہے۔ ناحق مجھے خراب کیا گیا ہے۔ عقلمندوں
نے۔ مفت میں مذاق کیا۔ صبح سے بیٹھا ہوں۔ اب دن بھی ڈھلنے
لگا۔ لیکن کپڑا نہ صاف ہوا نہ سفید ہوا۔ صابن پر بھی فضول پیسے
ضائع کئے گئے۔ ایک اور بار اس نے اٹھکر دیکھا۔ کہ اب تو سفید ہو
گیا ہوگا۔ لیکن اب بھی ویسے ہی کپڑا خاک آلودہ اور سیاہی
سے بھرا ہوا پڑا تھا۔ اور اس کے اوپر صابن رکھا تھا۔

اب رات ہونیوالی تھی۔ سورج غروب ہوگیا تھا۔ ساجن
گالیاں نکالتا ہوا اٹھا صابن کو کپڑے پر سے اٹھا کر غصے سے

پھینک ڈالا۔ لیکن پھر اُٹھا لیا۔ کپڑا دن بھر کی دھوپ سے پھر خشک ہو گیا تھا ۔

ساجن گھر آیا۔ دن بھر کے غُصّہ نے اُسے بگاڑ رکھا تھا۔ اِس سے لڑا اِس سے جھگڑا۔ اسے گالیاں دے اُسے مار۔ بُرا حال کرنے لگا۔ اتنے میں وہ بھی آگیا۔ جس نے ساجن کو کپڑا صاف کرنے کی ہدایت کی تھی۔ ساجن نے جونہی اِس کو دیکھا لاٹھی لیکر اس کے پیچھے پڑ گیا۔ کمبخت تو نے تمام دن میرا ضائع کرا دیا۔ وہ بھلا لوگ حیران یہ بات کیا ہے۔ اُس نے کہا بھائی ساجن ٹھہر ٹھہر بتلاؤ کیا ہوا ہے ۔

ساجن۔ ہوا خاک ہے۔ دن بھر میرا خراب کرا دیا۔ تم نے کہا تھا کہ صابن سے کپڑا صاف ہو جائیگا۔ لیکن میں دن بھر دریا پر اسی غرض سے رہا۔ لیکن یہ دیکھو کپڑا ویسے کا ویسا ہی ہے ۔

آدمی۔ صابن اس پر کونسا لگایا تھا۔

ساجن۔ نے صابن کی ٹکیا اس کے سر پر دے ماری اور کہا یہی تو ٹکیہ ہے۔ جو میں نے دن بھر کپڑے پر رہنے دی۔ لیکن پھر بھی سفید نہ ہوا ۔

آدمی۔ تو کیا تم نے کپڑے پر صرف ٹکیہ کو رکھ دیا تھا؟

ساجن۔ ہاں تو برابر رکھ دیا تھا۔ خاص کپڑے کے اوپر

آدمی۔ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا۔ مورکھ ساجن صابن کو کپڑے پر خوب ملنا تھا۔ جو ٹکیہ اب یہاں پڑی ہے۔ اسے بالکل کپڑے کے اندر جذب کر دینا تھا۔ تب یہ کپڑا صاف ہو سکتا اور سفید نکل آتا ۔

ایک شخص نے کہا نیت۔ پڑھنے والے ساجن کو بیوقوف

کہتے ہونگے۔ اور انہوں نے بھی اس بھلے آدمی کیطرح اسپر قہقہہ لگایا ہوگا لیکن آؤ ذرا دیکھیں تو سہی کہیں ہم بھی ساجن ہی تو نہیں ہیں۔ کہیں ہم بھی تو اس قابل نہیں۔ کہ بھلے لوگ ہم پر ہنسی اڑائیں۔ اور ہمیں قابل رحم سمجھیں ؁

کتنے لوگ ہیں جو دعوے سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ ساجن نہیں ہیں۔ ہمکو بتلایا گیا تھا۔ کہ وید ہمارے پاپوں کی میل کو دور کرکے ہمارے من کو شدھ پوتر بنا دیتے ہیں۔ ہم نے ساجن کیطرح اس آواز کو سنا۔ اور اپنے میلے کچیلے من پر وید کو بازار سے خریدا۔ اور اس پر رکھدیا۔ کیا اسطرح سے میلے من شدھ ہو جائینگے۔ کیا اس طریقہ سے پوترتا آجائیگی؟ ضرورت تو یہ ہے۔ کہ وید کو من کے اندر جذب کردیا جائے۔ جب تک یہ نہیں ہوتا۔ تب تک ہم وید سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اور پھر اسی حالت میں ساجن کیطرح بعض ناداں ایسی ہدایت کرنے والے کو سو سو صلواتیں سناتے ہیں۔ کہ ناصح نے ناحق بتلایا۔ کہ وید سے شدھی اور پوترتا آتی ہے۔ اور کیا ہم نہیں دیکھتے کہ کئی لوگ سالوں آریہ سماج میں رہ کر پھر تباہی میں چلے جاتے ہیں۔ وہ در اصل سبھی ساجن ہیں۔ وہ ساجن کیطرح من پر وید کو رکھکر پھر کرودھ وہرت ہوکر ادھر ادھر جنگ شروع کر دیتے ہیں۔ درحقیقت ایسے لوگ قابل رحم ہیں۔ اور ضرورت ہے۔ کہ ہم اپنی زندگیوں کو عملی زندگیاں بنائیں اور وید کا روز سوادھیائے کریں۔ اور اسکی اعلےٰ سکھشاؤں کو اپنے جیون میں گرہن کریں۔ ورنہ ہم ٹھٹھوں اور مخولوں میں اڑائے جائیں گے ؁

حوض کیسے خالی ہو؟

گھنے جنگل میں پیچدار گھاٹیوں میں سے رم جھم رم جھم پانی کی پانچ
ندیاں بہ رہی ہیں۔ اور دور نشیب میں ایک نہایت دلکش خوبصورت
چھوٹے سے میدان میں پہنچکر ایک سنگ مرمر کے بنے ہوئے گہرے اور عمیق
حوض میں گر رہی ہیں۔ ان کی چال کیسی ٹیڑھی ہے۔ کسطرح چھپ چھپ
کبھی اس پتھر کی اوٹ میں کبھی اس پتھر کے سایہ میں ہو کر گذرتی ہیں
ان جھاڑیوں خاردار درختوں میں سے ہوتی ہوئی کیسے پیچدار راستہ
جاتی ہیں۔ ان کی شوخی ان کی شرارت ملاحظہ ہو۔ کہ ننھے منھے خوبصورت
پھولوں کو بھی اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہیں +

حوض لبالب بھرا ہے۔ ایک مسافر دہ گذر وہاں سے گذرا۔ حوض کو
دیر تک ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا۔ دفعتاً اس کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ
اس حوض کو خالی کرنا چاہیے۔ تاکہ دیکھ سکوں۔ کہ اس کی تہ میں کیا ہے۔
مسافر نے کپڑے اتار دیئے۔ حوض کے گرد ہو گیا۔ لگا ہاتھوں سے پانی
باہر پھینکنے لیکن پانی کم ہونے پر نہیں آتا تھا۔ گھنٹہ دو گھنٹہ تین گھنٹہ
کی محنت کے بعد بھی پانی اتنے کا اتنا ہی تھا۔ لیکن مسافر نے ہمت نہیں
ہاری۔ وہ برابر کام میں لگا رہا۔ دن گذر گیا۔ مسافر نے رات بھر وہیں آرام کیا
اور صبح پھر اسی کام میں لگ گیا۔ آج کا دن بھی بیت گیا۔ لیکن حوض ویسے
ہی بھرا ہوا تھا۔ اس میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ مسافر کے چہرے پر مایوسی
کے آثار نظر آنے لگے۔ لیکن یہ کہکر کہ صبح اچھی طرح سے پانی نکالوں گا

سو گیا۔ اگلے روز مسافر پھر اسی دھن میں لگا ہوا تھا۔ جگہ سرد ہوا سرد
پانی سرد۔ لیکن محنت اور مشقت نے مسافر کا پسینہ بہا دیا۔ لیکن حوض
سے پانی کم نہیں ہوا۔ اب اس کے چہرے پر حیرانی، پشیمانی اور گھبراہٹ
کے آثار نمایاں تھے۔ اس اثناء میں ایک سفید ریش سادھو ادھر سے گزرا
مسافر کو اسطرح حوض میں سے پانی نکالتے دیکھکر کہنے لگا:۔

کیوں بھائی! یہ کس کام میں لگے ہو؟

مسافر۔ مہاراج میں اس حوض کو خالی کرنا چاہتا ہوں۔

سادھو۔ تو پھر کیا یہ خالی ہو گیا؟

مسافر۔ نہیں جی! آج کئی دن بیت گئے ہیں۔ کہ پانی نکال رہا ہوں
لیکن ذرا بھی تو پانی کم نہیں ہوا۔

سادھو۔ کیا اسطرح سے حوض خالی کر لوگے؟

مسافر۔ محنت تو کر رہا ہوں۔

سادھو۔ نادان! تیری ساری محنت اکارتھ جا رہی ہے

مسافر۔ تو پھر کیا کروں؟

سادھو۔ سنو! پہلے ان پانچ نالیوں کو جو اس میں پانی ڈال رہی ہیں
ن کا رخ اس دوسری طرف پھیر دو۔ مٹی سے اسطرف بند لگا دو۔ پھر
وض کا پانی نکالو۔ دیکھو خالی ہوتا ہے۔ یا نہیں۔ مسافر نے نالیوں کو
بند لگائے۔ اور ان کا رخ دوسری طرف کر دیا۔ اب اس نے حوض کا
نی نکالنا شروع کیا۔ اور ایک ہی دن میں حوض خالی ہو گیا یہ ایک
ھی سی کہانی ہے۔ ہم نے دوسروں پر ہنسی اڑانا ہی اپنا کام سمجھ
ھا ہے۔ جسے دیکھو وہ دوسرے پر ہی قہقہہ لگاتا ہے۔ لیکن باور
و باور کرو۔ کہ ہم خود ہنسی کے سزاوار بن رہے ہیں۔
ہم کوشش کر رہے ہیں۔ کہ من کے حوض کو پاپ کے پانی سے

خالی کر دیں۔ اس کے لیئے ہم کیا کرتے ہیں ؟ گاہے گاہے کیچھ سمرن لیتے ہیں۔ کبھی کبھی یا ہفتہ وار ی سماج میں ہو آتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف کام۔ کرودہ۔ لوبھ۔ موہ۔ آہنکار کی جو پانچ نالیاں اس اندر پاپ کو بھر رہی ہیں۔ ان کا کچھ خیال ہی نہیں کرتے۔ ان کو کھلا چھوڑ کر ہم من کو پاپ سے خالی کر لیں گے ؟ اگر مسافر نے اس طرح حوض خالی کر لیا تھا۔ تو شاید ہم بھی کر لیں۔ لیکن یہ نہیں ہو گا۔ ضرورت ہے کہ ہم ان پانچ نالیوں کو سوادھیائے کے بند باندھیں۔ اور ان کا رخ دوسری طرف کر دیں۔ جو لوگ سوادھیائے نہیں کرتے۔ ان کے من پاپ سے کبھی خالی نہیں ہو سکتے۔ اس لیئے سوادھیائے کرو۔ سوادھیائے سے سوادھیائے سے کام۔ کرودہ۔ لوبھ۔ موہ۔ آہنکار۔ کا رخ بہتری کی طرف ہو جائیگا اور من پاپ سے خالی ہو کر شدھ ہو جائیگا ؛

راج سنگھ

بابو بنکم چندر چیٹرجی۔ سی۔ آئی۔ ای کے ناولوں کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ وہ کسقدر دلچسپ اور فائدہ مند ہے۔ نیز سبق آموز ہے وہ ان دو ناولوں سے ظاہر ہے۔ جو **قدرت کے کھیل** اور **زہریلا آبحیات** کے نام سے ترجمہ ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ ناظرین یہ سنکر خوش ہوں گے۔ کہ

مہاشہ سدرشن جرنلسٹ نے آپکے مشہور ترین ناول راج سنگھ کا ترجمہ قریب مکمل کر چکے ہیں جو ایک ماہ تک چھپ جائے گا۔ شائقین درخواستیں بھیجدیں۔ قیمت چھپنے پر مقرر کیجائیگی

ملنے کا پتہ لالہ چیت رائے پرتھوی راج تاجران کتب لوہاری گیٹ لاہور

تم عمر قید ہی ہو یا نہیں؟

رمن ہرن سندربن میں مہاتماجی کی کٹیا تھی۔ قریب کے شہر سے بھگت جن آتے تھے اور ست سنگ سے لابھ اُٹھاتے تھے۔
ست سنگ جیون میں پوترتا لے آتا ہے اس لیے کئی لوگ مہاتماجی کے پاس جاتے تھے۔ انہیں میں ایک سیٹھ کا نوجوان لڑکا بھی آیا کرتا تھا۔ مہاتماجی کا اپدیش اسے بہت میٹھا معلوم ہوتا تھا اس لیے ایک بھی دن تو اس نے ناغہ نہیں کیا۔ گرمی ہو سردی ہو برسات ہو۔ آندھی ہو۔ سیٹھ کا لڑکا برابر مہاتماجی کے چرنوں میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ لیکن ایک دن لڑکا حاضر نہیں ہوا مہاتماجی نے خیال کیا شاید طبیعت ناساز ہو گئی ہو گی۔ اگلے روز سیٹھ کا لڑکا کٹیا میں پہنچا۔ مہاتماجی نے آتے ہی پوچھا۔ کیوں بیٹا یہ کل کی غیر حاضری کیوں ہو گئی ہے؟

لڑکا۔ مہاراج! کل میری سگائی کا شگن سسرال سے آیا تھا۔ اسی لیے حاضر نہیں ہو سکا۔

مہاتماجی۔ بیٹا! آج سے تم ہمارے کام سے گئے۔

اسی طرح کچھ اور وقت گذر گیا۔ سیٹھ کا لڑکا برابر ست سنگ کیلئے مہاتماجی کے پاس جاتا رہا۔ لیکن پھر اچانک لڑکے کی آمد رفت رک گئی۔ ایک دن دو دن تین دن کئی دن اسی طرح گذر گئے۔ لیکن لڑکا نہیں آیا آخر ایک ہفتہ کے بعد صبح کیوقت لڑکا مہاتماجی کے پاس پہنچا اور

بدنام کر کے بیٹھ گیا۔ مہاتما جی نے اس کے چہرے کیطرف گہری نظروں سے دیکھا۔ اور پوچھا کیا اچھے تو ہو ۔ یہ اتنے دن کہاں غائب رہے ۔

لڑکا۔ مہاتما جی! میری شادی تھی۔ برات وغیرہ چڑھی تھی ۔ راستہ میں کچھ دن خرچ ہو گئے ۔ اور اس طرح سات آٹھ روز میں آنہیں سکا

مہاتما جی۔ اچھا بیٹا! آج سے تو ماتا پتا کے کام سے بھی گیا ۔ ایک سال کے بعد دو سال بیت گئے۔ اور یہی لڑکا پھر آتے آتے غیر حاضر ہو گیا اب کے جب لڑکا مہاتما جی کے پاس گیا۔ تو پھر مہاتما جی نے پوچھا۔

"کیوں بھئی! کل کیوں نہیں آئے "

لڑکا۔ کل میرے گھر لڑکا پیدا ہوا تھا۔ اس کی فکر میں آ نہیں سکا۔

مہاتما جی۔ تو بیٹا! آج سے تم اپنے کام سے بھی گئے۔

لڑکے یہ سنکر کہا ۔ مہاتما جی! آج میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں ۔

مہاتما جی۔ ہاں بیٹا پوچھو!

لڑکا۔ پہلے جب میری سگائی ہوئی تھی۔ تو آپ نے کہا تھا۔ کہ تم آج سے ہمارے کام سے گئے

پھر جب شادی ہوئی ۔ تو کہا۔ کہ اب تم ماتا پتا کے کام سے گئے۔ اور اب جب لڑکا ہوا ہے ۔ تو آپ نے کہا ہے۔ کہ اپنے کام سے بھی گئے۔ اسکا کیا مطلب ہے؟

مہاتما جی۔ جب تک تمہاری سگائی نہیں ہوئی تھی۔ تمہیں کوئی غم و فکر نہیں تھا۔ تم ہر وقت دھرم اور ست سنگ کیطرف خیال رکھتے تھے۔ اور جو کچھ کماتے تھے۔ اس میں سے بہت سا دھرم ارتھ دان کر دیتے تھے۔ اور کچھ ماتا پتا کی سیوا میں لگاتے تھے ۔

سگائی ہونے پر فکر دامن گیر ہوا - اب تم جو کچھ کماتے تھے شاد
کے لئے اکٹھا کرنے لگے - دان دینا بھول گیا - ہاں ابھی اپنی غرض
کے لئے ماتا پتا کی سیوا کرنا ضروری تھا - پھر وواہ ہوا - تو ماتا پتا
سیوا بھی بھول گئی - اب تم ہو اور تمہاری دھرم پتنی دونوں پر
ساری کمائی خرچ ہونے لگی - لیکن اب جب تمہارے لڑکا پیدا ہ
تو اب تمہارا اپنا آنند بھی جاتا رہا - جو کچھ کماؤ گے - پتر کے لئے ج
ہوگا - اسی کی پرورش اور حفاظت میں سب کچھ خرچ کرو گے - ب
لقمہ بھی منہ سے نکال کر اسی کے منہ میں دو گے - اب تم پورے گرہ
بن گئے - یعنے تمہیں پورے طور پر گرہن لگ گیا ہے -

بات بھی درست ہے - ذرا ارد گرد نظر ڈال کر دیکھ لو - ایک
آدمی ہے - وہ صبح سے شام تک کام کرتا ہے - جھوٹ بھی بولتا ہے
پاپ اور مکاری بھی کرتا ہے - شائد یتیموں کے کپڑے تک بھی
اتارنے میں دریغ نہیں کرتا - قتل پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے -
کیوں؟ کنبے کی پرورش کرنی ہے - ذرا ایک ہی کسی گرہستی کی
زندگی پر نظر ڈالو - تمہیں ایسا معلوم ہوگا - کہ ایک یا دو لڑکوں کیلئے
وہ کسطرح اپنا کل جیون قربان کر رہا ہے - ایک دفعہ ہمیں ایک
گرہستی نے کہا - کہ شادی کیا ہے؟ عمر قید اور کمائی جرمانہ ہے یعنی
عمر بھر قید رہو - اور جو کچھ کماؤ - وہ جرمانہ میں ادا کرو - بات بڑی
دلچسپ ہے - اور قابل غور ہے - تو کیا ہم سارے گرہستیوں
کو عمر قید کی سزا ہوئی ہوئی ہے - اور جو کچھ کمائیں وہ جرمانہ
ہوا ہوا ہے؟ کیا در حقیقت ہم کو گرہن لگا ہوا ہے - اس
پر آج وچار کرنا چاہیے - کہتے ہیں - جب گرہن لگا ہو - تو
دان کرنا چاہیے - دان سے گرہن اتر جاتا ہے - یہ سچ ہو یا جھوٹ

لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ گرہستیوں کے لئے دان دینا
ہی انہیں بندھن سے چھڑا سکتا ہے۔ اور جو لوگ محض
اپنے کنبے کی پرورش میں ہی لگے رہتے ہیں۔ اور کوئی بھی
دھرم کا کام نہیں کرتے۔ درحقیقت وہ عمر قیدی ہی ہیں۔
ان باتوں پر وچار کر بتلاؤ۔ تم عمر قیدی ہو۔ یا نہیں ؟

آریہ ویروں کے درشن باتصویر

کیا بہروپئے سے بھی گئے گذرے ہو؟

راجہ کا دربار لگا تھا۔ سب امیر وزیر بیٹھے تھے اچانک ایک عرضی پیش ہوئی جس پر حکم لکھا جا کر سنایا گیا۔ کہ بہروپیے کو حکم دیا جاتا ہے۔ کہ اگر وہ راجہ صاحب کو دھوکہ۔ مغالطہ۔ چکمہ۔ دے سکے تو اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا

یہ حکم سن کر بہروپیا بس لوٹ گیا۔ اس نے نت نئے بھیس بدلے۔ کئی کئی طرح کے روپ بنائے۔ لیکن راجہ پہچانتا ہی رہا آخر بہروپیا تھک ہو گیا۔ اور کچھ دیر کے لئے غائب ہو گیا

کچھ دنوں میں شہر کے اندر یہ خبر ہر ایک سے سنی گئی کہ پاس ندی کے پار جنگل کے اندر ایک بڑا تپسوی اور یوگی سادھو آیا ہے۔ جو بڑا ویراگی ہے۔ پورا یوگی ہے۔ تیاگ کی تو مورتی ہے۔ خلقت یہ تعریفیں سن سن کر جوق در جوق سادھو کے پاس پہنچنے لگی۔ ٹھٹھ کے ٹھٹھ وہاں نظر آنے لگے۔ جنگل میں منگل ہو گیا۔ جہاں گیدڑ بولتے تھے۔ وہاں دن رات ایک بستی سی بسی ہوئی دکھلائی دینے لگی ہوتے ہوتے امیر وزیر بھی درشنوں کو پہنچے۔ تیاگ کی مورتی دیکھ کر ان کے دل بھی پگھل گئے۔ دربار میں آتے ہی راجہ سے کہا۔ مہاراج! پاس کے جنگل میں ایک بڑے تیاگی یوگی ٹھیرے ہوئے ہیں ان کے درشن ضرور کرنے چاہئیں

لگے اور سارے شہر میں مشہور ہو گیا۔ کہ راجہ صاحب

تیاگی یوگی کے درشن کرنے جائینگے۔ جنگل تک سڑک صاف ہوگئی ندی کا پل درست کیا گیا۔ راستے میں آرائش کی گئی۔ صبح ہوتے ہی راجہ صاحب اپنی رانی کیساتھ جنگل کیطرف چلدیئے۔ شوق کی نظریں دور سے ہی یوگی کو دیکھنے لگیں۔ رانی نے سادھو کے پاس پہنچتے ہی اپنا گلے کا ہار اتار کر سادھو کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ راجہ نے بھی سادھو کے چرنوں میں جھک کر نمسکار کیا۔ سادھو نے وہ نہایت قیمتی ہار بڑی لا پرواہی سے دھونی میں پھینک دیا۔ کسی کو جرات نہیں ہوئی کہ اسے اٹھائے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جلکر خاک سیاہ ہوگیا راجہ اور رانی یہ نظارہ دیکھ کر اور بھی گدگد ہوگئے۔ راجہ بار بار اپنا سر جھکا رہا تھا۔

جب یہ عجیب سین نظر آرہا تھا۔ تو اسیوقت یکلخت سادھو نے چھلانگ لگائی۔ اور دھونی سے باہر ہو کر اپنی ڈاڑھی اتار پھینکی سر کے لمبے بالوں کی جٹا دور رکھ دی۔ اور منہ کو صاف کر کے راجہ کے سامنے جھک کر عرض کیا۔ مہاراج! انعام دلائیے! راجہ حیران رہ گیا۔ اور ہنس کر کہا۔ تم بھی عجیب بیوقوف ہو۔ کہ لاکھ روپے کا ہار آگ میں جلا کر اب انعام مانگتے ہو۔ کیا وہ تھوڑا انعام تھا بہروپیا۔ مہاراج! میں نے سادھو کا بھیس دھارن کیا ہوا تھا۔ اس بھیس کو میں کلنکت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اس بھیس کی لاج رکھی اگر اس وقت میں گرہن کر لیتا تو سادھو کا بھیس بدنام ہو جاتا۔ اور میں اپنے بہروپ میں پورا نہ اترتا!

اس کہانی کو اس فسانے کو پڑھکر کچھ سمجھے بھی! کچھ جانا بھی کہ یہ کیوں لکھی گئی ہے؟ یہ اس لیے لکھی گئی ہے۔ تاکہ وہ لوگ جو سچے آریہ نہیں بنے یا نہیں بن سکتے۔ وہ کم از کم آریہ نام کی تو لاج رکھیں۔

آریہ کے پوتر شبد کو بدنام نہ ہونے دیں۔ کیا ہم بہروپیئے سے بھی گئے
گذرے ہیں۔ جس نے سادھو کے بھیس کی لاج رکھی۔ لیکن آج ہم
آریہ بن کر بزدلوں اور کائروں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ ہم ذرا ذرا
سے لالچ کیلئے تھوڑے تھوڑے سے نفع کے لئے کیا کچھ نہیں کرگذرتے
ریہ تو وہ ہے۔ جو پرماتما کا پتر ہے۔ اور جو ہر وقت ابھے رہتا ہے۔ دنیا
کے اندر کنوں کے پھول کی طرح رہتا ہے۔ لیکن آہ! ہم ہر وقت ڈروں
خطروں سے کانپتے رہتے ہیں۔ ذرا ذرا سی تکلیف ہمیں بزدل بنا
یتی ہے۔ ہم دنیوی سکھ کے لئے آریہ دھرم کا کوئی پاس نہیں رکھتے
یسی حالت میں آج سوچو اور بار بار سوچو! کہ کیا ہم بہروپئے سے
ی گئے گذرے ہیں یا نہیں؟ اور آریہ ایسے پوتر شبد کو بھی کلنکت
ر بدنام کر رہے ہیں یا نہیں؟

مداری کا ریچھ

ڈگ ڈگ۔ ڈگ ڈگ۔ ڈگ ڈگ۔ ڈگڈگی بج رہی تھی۔ اِدھر اُدھر سے جس جس کے کان میں یہ آواز پڑی وہیں بے تحاشا دوڑا چلو راہی آیا ہے تماشہ دیکھیں۔ آناً فاناً ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ بوڑھے جوان بچے سبھی اس ہجوم میں نظر آتے تھے۔ مداری کے پاس ایک قوی ہیکل سیاہ ریچھ تھا جس کے نتھنوں میں نکیل پڑی تھی۔ جب وہ قوی جثہ ریچھ اِدھر اُدھر دیکھتا تھا۔ تو بچے ڈر کے مارے سہم جاتے تھے۔ ایک دو بار جو اُسنے منہ کھولکر آواز نکالی تو کئی ننھے ننھے بچے بھاگ نکلے۔ لیکن تماشہ دیکھنے کی خاطر پھر جمع ہو گئے۔

خلقت کا جماؤ دیکھکر مداری نے کھیل شروع کیا۔ ایک آدمی نے کہا دیکھو یہ اتنا بڑا ریچھ اسوقت کس طرح بے بس اور لاچار ہے۔ اگر یہ جنگل میں ہو۔ تو پھر کسکی مجال ہے کہ اسکے سامنے کھڑا رہے لیکن دیکھو اب مداری اشارہ کرتا ہے۔ اور وہ ناچنا شروع کر دیتا ہے"

ریچھ کا اب ناچ ہو رہا تھا۔ مداری اسے نکیل اور ہاتھ کے اِشاروں سے جسطرف چاہتا لیجاتا۔ جیسے ناچ نچوانا چاہتا نچوا لیتا۔ اب اس نے اس کے سر پر ایک سوٹی رکھ دی اور کہا۔ لو بچہ اب ناچو! ریچھ نے اُسے ہی پکڑ کر اپنا جنگلی ناچ شروع کر دیا۔ ایک تماشہ دیکھنے والے نے کہا۔ کیا ریچھ ناچا کرتے ہیں؟ ساتھ والے نے کہا۔ یہ ناچتے کہاں ہیں لیکن اب تو نکیل نچا رہی ہے۔

ریچھ اپنی بے ڈھنگی چال سے ناچ رہا تھا ہجوم میں سے رہ رہ کر قہقہے کی آوازیں اٹھتی تھیں۔ بچوں کے پیٹ میں تو ہنستے ہنستے بل پڑ پڑ جاتے تھے۔ اور جب مداری وھینا کھینم چھینا کی آواز لگاتا تو ریچھ اور بھی جوش سے ناچنے لگتا۔ اُسوقت سارے ہی کھل کھلا کر ہنس پڑتے

اس ہنسی خوشی کی محفل میں اس دل لگی کے جھمگھٹے میں ایک بن باسی بھی تھا۔ وہ بھی ہنسا۔ اس نے بھی قہقہے لگائے۔ لیکن اسکی ہنسی کچھ نرالی تھی۔ وہ اس نرالی ہنسی کو ساتھ لیکر ہجوم سے دور نکل گیا۔ ایک خوبصورت درخت کے ٹھنڈے سایہ میں بیٹھ کر سوچنے لگا کس پر ہنسوں۔

کیا ریچھ؟ اپنے آپ پر؟ یا دنیا پر؟

ریچھ جنگل میں جب آزادی سے پھرتا ہے۔ اس کے نتھنوں میں نکیل نہیں ہوتی تو اسوقت لوگ اسے دیکھ کر کیوں نہیں ہنستے کیوں اس کا مذاق نہیں اڑاتے؟ سہم کیوں جاتے ہیں۔

انہی باتوں کو سوچتے سوچتے بن باسی چلا اٹھا! آہ! آہ! کیا میں بھی مداری کا ریچھ ہوں؟ کیا دنیا کے اور کئی لوگ بھی مداری کے ریچھ نہیں ہیں؟

میں دیکھتا ہوں ایک انسان جسکے نتھنوں میں دولت کی نکیل پڑی ہوئی ہے۔ اور جسے کشش دولت کی کھینچ رہی ہے۔ وہ انسان اس دولت کے اشارے پر ہی سب کام کرتے ہیں۔ جدھر دولت لے جاتی ہے۔ اُدھر ہی وہ چلا جاتا ہے۔ چاہے وہ تیموں بیکسوں کے خون پر آمادہ کر دے۔ یا انیاچار اور ظلم کرنے کے لئے تیار کر دے۔ چاہے اپنے دماغ، جسم اور آتما کو بھی قربان کرا دے۔ میں دیکھتا ہوں وہ ناچتا ہے۔ اور وہ ریچھ کی طرح ناچتا ہے۔

میں دیکھتا ہوں ایک آدمی خوبصورت عورت کے ہاتھ میں پڑا ہوا ناچتا ہے۔ اس کے نتھنوں میں خوبصورتی کی نکیل پڑی ہے۔ خوبصورت عورت جیسا ناچ نچوانا چاہے۔ نچواتی ہے۔ جو چاہے اس سے کرواتی ہے۔

میں دیکھتا ہوں ایک آدمی ہے۔ اسکو شیش۔ مان اور عزت کی نکیل پڑی ہوئی ہے۔ وہ اسی کے اشارے پر ناچتا ہے۔ اسی کے بس ہوا ہوا نہ چن نہ باپ کچھ نہیں دیکھتا۔

میں دیکھتا ہوں اور ہر روز دیکھتا ہوں کہ عیش و عشرت کے دیو نے کئی انسانوں کو نکیل ڈال رکھی ہے۔ اور وہ لوگ عیش و عشرت کے مداری دیو کے اشارے پر ناچ رہے ہیں۔ انہیں بلکتی ہوئی ماتا دم توڑتے ہوئے پتا کا غم نہیں۔ ان کی بلا سے اگر باپ دادا کی عزت دولت اور نام برباد ہو جائے۔ وہ ان مداری کے اشارے پر ناچتے ہیں اور کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے

میں اور بہت کچھ دیکھتا ہوں بعض انسانوں کے نتھنوں میں چھوٹے اور بڑے گوروؤں۔ سادھوؤں اور آڈمبری سنتوں نے نکیلیں ڈال رکھی ہیں۔ اور وہ انہیں کے اشارے پر عجب دھما چوکڑی مچاتے ہوئے ناچتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ٹھیک کونسا انسان ہے جسکے نتھنے میں کسی نہ کسی مداری نے کوئی نہ کوئی نکیل نہیں ڈال رکھی

بن باسی جب اس طرح بے تحاشا بولتا چلا گیا۔ تو اس کی آنکھوں نے ٹپ ٹپ آنسو گرا دیئے لیکن ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔ اور پھر بے اختیار بول اٹھا۔ کہ مورکھ لوگ مداری کے ریچھ کا تماشہ دیکھتے ہیں لیکن خود نہیں جانتے۔ کہ وہ بھی کسی مداری کے ریچھ بنے ہوئے

نظر آرہا ہے۔ سبھی ناچ رہے ہیں۔ ہاں سبھی دنیا ناچ رہی ہے۔ اور ہوا سورج اور چاند ستارے اور سیارے بھی ناچ رہے ہیں۔ ان کے نتھنوں میں بھی پرماتما نے نکیل ڈال رکھی ہے۔ تو گویا زمین آسمان۔ انسان۔ حیوان۔ پرند۔ چرند کل اپنے اپنے ناچ میں مشغول ہیں۔ لیکن ذرا دیکھو تو سہی۔ تجھے کس قسم کی نکیل ڈالی گئی ہے۔ اور وہ کس مداری کے ہاتھ میں ہے۔ کیا دولت تو مجھے نہیں نچا رہی۔ کیا کوئی کامنی تو مجھے عقل نکھے مٹھیا نہیں کرا رہی۔ کیا عزت۔ مان اور لیش تو مجھے نچا نہیں رہا۔ کہیں عیش و عشرت تو تماشا نہیں دکھلا رہے۔ کیا کوئی میرے ایسا انسان ہی تو مجھے نچا نہیں رہا۔ یہی آج سوچو۔ سوچو۔ اور پھر سوچو۔ کہ میں کس مداری کا ریچھ ہوں۔ اور کیا یہ بہتر نہیں۔ کہ ہم اپنی نکیل یا باگ ڈور پرماتما اسے مداری کے ہاتھ میں دیں۔ اور اسی کے اشارے پر چلیں ×

چوہے دانی کا چوہا

آدھی رات گذر چکی تھی۔ گھر میں ایک چوہے دانی رکھی تھی۔ چراغ دھیمی روشنی کے ساتھ ٹمٹما رہا تھا۔ چوہے دانی میں روٹی کے چند ٹکڑے تھے۔ ایک دو بیر تھے۔ چند سبز پتے تھے۔ اور کچھ اور چیزیں تھیں۔ ایک چوہا کوٹھڑی کے بل سے نکلا۔ خراماں خراماں ٹہلتا ٹہلتا۔ اِدھر اُدھر جھانکتا بڑی احتیاط سے چوہے دانی یا پنجرے کے پاس آیا۔ چوہے نے ایک اور بار سارے کمرے کے اندر نظر دوڑائی، اسے کوئی ہستی نظر نہیں آئی۔ جس سے اُسے خوف ہو۔ روٹی کی خوشبو، بیروں، پتوں، اور سبزی کی سوگندھی نے اس کے ناک میں پہنچکر ایک مستی سی پیدا کردی۔ چوہا چوہے دانی کے چاروں طرف پھرا۔ تیلیوں میں سے روٹی کے ٹکڑے اور موٹے موٹے بیر صاف نظر آتے تھے۔ کیسے اندر پہنچوں اور انہیں ہڑپ کروں۔ اسی فکر میں اُس نے پنجرے کو غور سے دیکھا اور آخر ایک سوراخ دیکھکر اس میں گھُس گیا۔ گھُستے ہی اس نے دیکھا کہ میرے چاروں طرف آہنی سلاخوں کی دیواریں بن گئی ہیں تاہم وہ بےفکر ہوکر روٹی کو کترتا ہے۔ بیروں کو کھاتا ہے لیکن دفعتاً اس کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے۔ اسے اب کھانا بھول جاتا ہے۔ میں نے دیکھا اور غور سے دیکھا۔ کہ وہ بےچین ہوگیا ہے۔ وہ اب اچھلتا ہے۔ کودتا ہے۔ اپنے پنجرے کی تاروں سے سر

ٹکرتا ہے۔ لیکن باہر نکلنے کو راستہ نہیں ملتا۔ جس راستے سے وہ داخل ہوا تھا۔ وہی راستہ اب آگے کانٹے رکھے ہوئے نظر آتا ہے۔ باہر نکلنے کے لئے جدوجہد کرتے کرتے چوہا بیدم ہوجاتا ہے۔ اور پھر اس غم و فکر میں بے بس ہو کر اپنی زندگی کے لمحے پورے کرتا ہے۔

ایک رحمدل انسان چوہے کی نادانی اور بے بس قابل رحم حالت دیکھکر ضرور کہتا ہوگا۔ کہ اے کاش یہ چوہا جانتا کہ جس چیز کو وہ چاہتا ہے۔ وہ ایک پنجرے میں بند ہے۔ اور اس کے اندر داخل ہوتا موت کے منہ میں جانا ہے۔ لیکن کیا چوہے نے ہی غلطی کی ہے۔ کیا وہی قابل ترس و قابل رحم ہے؟ ذرا سوچا کر دیکھئے۔ اگر چوہا نہیں تو اور کون؟ لیکن ٹھہرانے کی ضرورت نہیں ذرا شانتی سے اس سوال پر وچار کیجئے ممکن ہے آپ ہی قابل رحم و قابل ترس ثابت ہوجائیں۔ نادان بچہ ہے۔ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ سیر کرنے جاتا ہے۔ راستے میں ساتھی سگرٹ سلگاتا ہے۔ اور بچے کو بھی کہتا ہے لو ایک دم لگا لو۔ بڑا مزا آئیگا۔ ایک دفعہ پینے سے کیا ہوتا ہے۔ بچہ چوہے کی طرح اس ترغیب میں آجاتا ہے۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اور محتاط ہو کر جھٹ دم لگا لیتا ہے۔ اب ہر روز وہ پینا شروع کر دیتا ہے۔ پہلے چھپ چھپ کر پیتا ہے۔ ڈرتا ڈرتا پیتا ہے۔ لیکن پھر کھلم کھلا ڈبیوں کی ڈبیاں خالی کرنے لگتا جو ب سے اپنے جسم میں کمزوری سی نظر آتی ہے۔ وہ چاہتا ہے۔ اسے چھوڑ دے۔ چھوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ چوہے کی طرح پھسلتا ہے۔ لیکن بری لت پڑی ہوئی چھوٹتی نہیں۔ کیا کئی ایسے لوگ

تم نہیں دیکھتے۔ جو نہایت دردناک آواز سے یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ اسے چھوڑ دیں۔ لیکن یہ کسی طرح چھوٹتا ہی نہیں۔ یہ نادان بچہ اس پنجرے کے اندر پھنس کر انسان بنتا ہے۔ اور انسان بنکر مرجاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے دوسرے پر لوبھن ہیں جو انسان کو بڑے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ وہ انہیں حاصل کرنے کیلئے ان آہنی دیواروں کو نہیں دیکھتا۔ جن میں وہ قید ہونے والا ہے کتنی لوگ ہیں جو بیٹھتے ہیں کہ شراب کیسے چھوٹے۔ دنیا کے دھندوں سے کیسے چھٹکارا ہو۔ ان سے چھٹکارا کیسے ہو سکتا ہے۔ اب ان سلاخوں کی دیواروں میں قید ہوئے ہوئے سر ٹپکتے رہو۔ جب یہ حالت ہے تو کیا چوہے ہی قابل رحم ہیں کیا ہم نہیں کیا ہم بھی اسی طرح کے قسم قسم کے پنجروں قید نہیں ہیں اے کاش ہم اس راز کو سمجھیں تاکہ ہر قسم کے پنجروں سے بچے رہیں

برہمچریہ آشرم

محل وہی شاندار اونچا اور دیرپا بن سکتا ہے جسکی بنیادیں مضبوط ہوں قوم وہی ترقی کے اوج پر پہنچ سکتی ہے جسکا پہلا زینہ برہمچریہ آشرم درست ہو ہر طرف سے آواز آتی ہے (ہندو قوم مر رہی ہے) اسکا بہترین نسخہ ہے قیمت ۱۰ ر ملنے کا پتہ

بلاٹنگ نہ بن! تو آگ بن!

بلاٹنگ (سیاہی چوس کاغذ) کا ایک ٹکڑا تھا۔ وہ سفید تھا ہاں بالکل سفید جس پر ایک داغ نہیں تھا۔ میں نے اسے خریدا اس لئے تاکہ میری تحریر کی فضول سیاہی کو وہ دور کر دیا کرے۔ وہ میرا کام کرنے لگا۔ کام کرتے کرتے کچھ مدت گذر گئی۔

ایک دن میں اپنی میز پر بیٹھا تھا۔ سردیوں کے دن تھے۔ قریب ہی آگ کی ایک انگیٹھی جل رہی تھی میں بدستور اپنا کام کر رہا تھا۔ کہ اچانک بلاٹنگ پیپر (سیاہی چوس کاغذ) کو میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا۔ اور اپنی تحریر کی فضول سیاہی کو دور کرنے کے لئے کہا لیکن میں نے دیکھا۔ کہ اس نے فضول سیاہی تو کیا دور کرنی تھی۔ الٹے کئی دھبے میری تحریر پر لگا دیئے۔

اس وقت میں نے دیکھا۔ کہ بلاٹنگ کی صورت رونی صورت بنی ہوئی ہے۔ وہ اپنی کارگذاری پر نادم ہے میں نے غور سے اس کی طرف پھر دیکھا۔ تو مجھے ایسا معلوم ہوا۔ جیسے وہ کہتا ہے۔ کہ میں اب نکما ہو گیا ہوں۔ آپ نے مجھے کبھی کالی کبھی سرخ سیاہی کی صحبت میں رکھا جیسی بھی مجھے صحبت کرنے کے لئے کہا گیا میں نے ویسی ہی صورت اختیار کر لی۔ کالی سیاہی سے میں کالا پڑ گیا۔ اور سرخ سے سرخ ہو گیا۔ اب جو کچھ میں دوسروں کی صحبت سے جذب کر سکتا تھا۔ کر چکا ہوں۔ مجھ میں اب طاقت نہیں کہ زیادہ کام کر سکوں۔

یہ مایوسی انگیز فقرے کچھ عجیب انداز سے کہے گئے تھے۔ مجھے معاً خیال آیا۔ کہ یہ کبھی بالکل سفید تھا۔ اور اس پر ایک بھی داغ نہیں تھا۔ لیکن دن رات سیاہیوں کی صحبت میں رہنے سے یہ سیاہ پڑ گیا ہے۔ اور اب اس قابل نہیں۔ کہ میری زینت بن سکے۔ یہ سوچ کر میں نے اس بلاٹنگ پیپر کو اٹھایا۔ اور پاس ہی جلتی ہوئی انگیٹھی میں اسے پھینک دیا۔

انگیٹھی خوب روشن تھی۔ آگ کے شعلے اس میں سے نکل رہے تھے۔ اس کاغذ نے ایک لمحہ کے لئے شعلے کو ذرا بلند کر دیا۔

اسی وقت میری ٹکٹکی آگ پر بندھ گئی۔ آگ! آگ! یہ کیوں سیاہ نہیں پڑتی۔ اس پر کیوں داغ نہیں آتا۔

اس میں ردی سے ردی چیز پھینکو۔ غلاظت بھری چیز پھینکو۔ کالی لکڑی یا سفید لکڑی جلاؤ۔ کھوٹا یا کھرا سونا ڈالو۔ کسی قسم کی بھی چیز ڈالو۔ لیکن اس میں غلاظت نہیں آتی۔ یہ پھر بھی ویسی ہی صاف ویسی ہی شدہ اور پوتر رہتی ہے جیسی پہلے تھی۔

یہ خود صاف ہی رہتی ہے یہی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی صاف کر دیتی ہے۔ دوسروں کی غلاظت دوسروں کا کھوٹ دوسروں کی برائیاں بھی دور کر دیتی ہے۔ یہ نکمے سونے کو کندن بنا دیتی ہے۔ اس چیز کو جو پہلے کم خوشبو دیتی ہو۔ جلا کر زیادہ خوشبو دار کر دیتی ہے۔

یہ آگ صدیوں سے نہیں نہیں یگوں سے اربوں سالوں سے نکمی چیزوں کے ساتھ رہتی چلی آئی ہے۔ اُن کی صحبت کرتی رہتی ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ اب بھی بالکل صاف اور روشن ہے۔ اور اس کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں

میں ٹکٹکی باندھے انہیں خیالات میں مستغرق تھا کہ مجھے پھر اس بلاٹنگ پیپر کا خیال آیا۔ جو جلدی ہی ردی کر کے جلا دیا گیا تھا۔

اسی وقت آگ کے شعلوں میں کچھ پھڑپھڑاہٹ سی ہوئی۔ انگیٹھی کے کچھ کوئلے ہنسنے لگے۔ میرے لبوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔ اور میری زبان سے نکل گیا۔ "میں جان گیا ہوں یہ میرے لئے ایک خوبصورت ایڈیشن ہے"۔ جو بلاٹنگ پیپر کی طرح سیاہ رہ ہو کر خاک سیاہ ہونا نہیں چاہتے۔ جو آگ کی طرح روشن ہونا چاہتے ہیں۔ جو آگ کی طرح بے عیب رہنا چاہتے ہیں۔ جو دوسروں کے ایرادوں پاپوں اور غلطیوں کو تباہ کر کے آپ ہی پر نور اور سکھی ہونا چاہتے ہیں۔ انہیں بلاٹنگ پیپر نہیں بلکہ آگ بننا ہوگا جو بلاٹنگ پیپر بنیں گے۔ بروں کی صحبت کرتے ہوئے خود بھی برے بن جائینگے۔ وہ ایک دن ردی اور نکمے ہو کر تباہ ہو جائینگے جو آگ بنیں گے۔ وہ دوسروں کی غلطیوں کو دور کریں گے اور خود روشن ہو جائینگے۔

اسی لئے بھڑکتے ہوئے شعلوں اور ہنستے ہوئے کوئلوں نے مسکرا کر کہا:۔

بلاٹنگ پیپر نہ بن! آگ بن!

مِلر کا تالہ

کالا کلوٹا سا "مِلر" کا تالہ بازار میں بکتا ہے جو بند تو خود بخود ہو جاتا ہے۔ لیکن چابی کے بغیر کھلتا نہیں۔

اس قسم کا تالہ ایک صندوق میں لگا ہوا تھا۔ مکان کے اندر خالی صندوق پڑا تھا۔ ایک چھوٹے بچے کو شرارت سوجھی چلو آج ماتا سے کھیل کریں۔ اس صندوق میں چھپکر اسے پکاروں گا۔ اور وہ حیران ہو گی۔ لڑکا آہستگی اور خاموشی سے ماتا سے آنکھ بچا کر صندوق میں داخل ہو گیا۔ اور اسکا ڈھکنا بند کر دیا جس کا قفل خود بخود بند ہو گیا۔ کچھ دیر چپکے بیٹھے رہ کر اب اس نے ماتا کو پکارنا شروع کیا۔ "ماتا۔ ماتا! بتلاؤ میں کہاں ہوں"۔ لیکن ماتا اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔ اس نے ان آوازوں کو نہیں سنا۔

کچھ وقت اور گذر گیا۔ اور اب صندوق کے اندر لڑکے کا دم گھٹنے لگا۔ ہوا گندی ہو گئی۔ اور اس کے سر میں چکر آنے لگے لڑکے نے صندوق کے ڈھکنے پر ہاتھ مارے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی چیخیں نکل گئیں۔ اس شور کو سنکر ماتا نے دروازہ کھولا اور نیم بیہوش لڑکا باہر نکالا گیا۔ اگر ماتا اس کی پکار اور چیخ سنکر دروازہ نہ کھولتی۔ تو کچھ دیر کے بعد اس کا خاتمہ ہو جاتا۔ اور اسے اپنے کھیل کی قیمت مل جاتی۔

یہ کھیل کتنی خوفناک ہے کتنی ہیبت ناک ہے۔ اور کسقدر

ہر روز ایسی ہی کھیلیں کھیلتے رہتے ہیں۔ ہم ہر روز اسی قسم کے مایا کے تالوں کے اندر اپنے آپ کو خود بند کرتے رہتے ہیں

حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنے آپ کو ہی دیکھیے کہ آپ اس قسم کے کتنے ہی صندوقوں کے اندر بند ہوئے ہیں دولتمندی کا صندوق ہے۔ آپ اس میں اس لئے داخل ہوتے ہیں۔ تاکہ ذرا کھیل کریں۔ ذرا ہنسی وخوشی لمحے گذاریں۔ اس میں داخل ہو کر آپ مایا کے تالے کے ذریعہ قید ہو جاتے ہیں۔ اور کیا نہیں دیکھتے کہ بیشمار لوگ اس دولتمندی کے صندوق کے اندر بند ہو کر تڑپتے اور بلکتے ہوئے جان دیدیتے ہیں۔

خوبصورتی کا صندوق ہے۔ آپ اس کے اندر بھی مسرت اور خوشی کے لیئے داخل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ آپ کو مایا کے تالے کے اندر بند کر دیتی ہے۔ اسی طرح لالچ کا صندوق، اور کام کا صندوق ہے۔ ان سب صندوقوں کو مایا کے تالے لگے ہوئے ہیں۔ آپ ان کے اندر داخل ہو کر ایک دفعہ ڈھکنا بند کریں پھر نکلنا محال ہے۔

لیکن اگر سمجھ چکے ہو کہ ان صندوقوں کے اندر جان و مال خطرہ میں ہے۔ اور ہر روز روتے پیٹتے چلاتے بلبلاتے لوگ جو نظر آتے ہیں۔ یہ صاف بتلاتے ہیں۔ کہ ان صندوقوں کے اندر لوگوں کا دم گھٹ رہا ہے۔ تو پھر اپنی ماتا کو پکارو۔ فریاد کرو۔ اس پرم پیاری ماتا کے آگے۔ جو دانی مایا کے تالوں سے ان بند شدہ صندوقوں سے آپ کو نکال سکتی ہے۔ پرماتما سے رو رو کر پرارتھنا کرو۔ اپنے کیئے پر پچھتاؤ۔ پشچاتاپ سے فریاد سے

... آپ پر پڑ رہے ہیں - اور آپ تباہ ہونے
سے بچ جاؤ گے - اس کے ساتھ ہی ہر وقت دھیان رکھو - کہ اس
قسم کے صندوقوں کے اندر بند ہونے کی جب کبھی بھی خواہش
دل کے اندر پیدا ہو - تو اسے فوراً رد کرو - اسی وقت پرم ماتا کی گود
میں جا بیٹھو - اور کہو - کہ "ماتا! میرے من میں ایسا برا وچار پیدا ہوا
تھا - میں اس وچار سے بچنا چاہتا ہوں - میرے سنکلپ کو
شدھ کرو - مبادا میں اس میں پھنس جاؤں - ہر وقت نگاہ رکھنے
سے چوکس رہنے سے - آپ ایسے صندوقوں میں پھنس ہی نہیں
سکیں گے - جن کو بلا پیسے خودبخود بند ہو جانے والے قفل
لگے ہوئے ہیں -

چار چیزیں درکار ہیں

ایک راجہ نے دوسرے ملک کے بیشمار فوج لیکر چڑھائی کی دونوں طرف سے فوجیں جوش خروش سے لڑنے لگیں۔ جنگ وجدال کا بازار گرم ہو گیا۔ سر کٹ کٹ کر زمین پر گرنے لگے۔ آن کی آن میں خوبصورت نوجوان خاک پر لوٹنے لگے۔ حملہ کرنیوالے راجہ کی فوج نے اب آگے بڑھنا شروع کیا۔ اور دوسرے راجہ کو بھی قتل کر ڈالا۔ اب تو حملہ آور راجہ فتح کا نعرہ بلند کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اور اُسنے ملک پر قبضہ کر لیا۔ لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں ہمیشہ یہاں رہوں۔ بلکہ وہ اپنے وطن کو جانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے دریافت کیا کہ کیا مرحوم راجہ کے خاندان سے کوئی آدمی ہے لوگوں سے معلوم ہوا۔ کہ اس کے خاندان کا کوئی آدمی زندہ نہیں ہے۔ ہاں اس کی برادری کا ایک آدمی ہے۔

راجہ۔ وہ کس جگہ رہتا ہے۔

جواب ۔ وہ سنسار کو تیاگ چکا ہے۔ اور درکت ہو کر جنگل میں رہتا ہے۔

راجہ۔ اس کو بلا کر اس جگہ لانا چاہیئے۔

چند معزز آدمی اس ورکت کو بلانے کے لئے جنگل میں گئے اور اس آدمی کو کہا کہ راجہ آپکو بلاتا ہے۔ لیکن اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح سے تین چار دفعہ اس کے پاس آدمی بھیجے گئے لیکن

اب تو راجہ خود اس کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا میں کسی اور غرض کے لیے نہیں بلاتا تھا بلکہ اس لئے تاکہ یہ ملک تمہیں دیدوں۔
ورکست - مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں - اور نہ ہی راج لینا چاہتا ہوں۔
راجہ - اگر راج لینا نہیں چاہتے - تو کوئی اور ہی چیز مانگو - وہ میں بھیٹ کر دوں گا۔
ورکست - نہیں مجھے کچھ درکار نہیں ہے۔
راجہ - تو بھی اس جنگل میں رہتے ہوئے کٹیا کی۔ رکھشک کی۔ کھان پان کی چیزوں کی جس چیز کی بھی ضرورت ہو بتلا دیئے۔
ورکست - اچھا! اگر آپ بہت اصرار کرتے ہیں۔ تو پھر مجھے ذیل کی چیزیں دیدیجئے۔
(۱) ایک تو وہ زندگی جس کے ساتھ مرنا نہ ہو۔
(۲) دوسری وہ خوشی جس کے ساتھ رنج نہ ہو۔
(۳) تیسری وہ جوانی جس کے ساتھ بڑھاپا نہ ہو۔
(۴) وہ سکھ جس کے ساتھ دکھ نہ ہو۔
یہ چار چیزیں آپ بھیج دیجئے
راجہ - ان چاروں میں سے ایک بھی میرے پاس نہیں یہ تو انسان کی سامرتھ سے باہر ہیں۔ صرف پرمیشور ہی دے سکتا ہے دوسرا کوئی بھی نہیں دے سکتا۔
ورکست - میں نے بھی اسی لئے اپنے پربھو کا دامن پکڑا ہے اور وہی مجھے یہ چیزیں دیگا۔ مجھے انیتہ چیزوں کی خواہش نہیں۔

چھ مہینہ کی وزیری

خواہش اولاد میں تڑپتا ہوا راجہ نہیں جانتا کہ کیا کرے۔ اسکی
لدی کون سنبھالیگا۔ اسے اس کا بھاری فکر ہے۔ آخر سوچتے
سوچتے اُس نے یہ تجویز نکالی۔ کہ اس کا راجیہ ہی قائم رہے۔ اور
کوئی واحد شخص اسکا مالک بھی نہ بنے۔ اس غرض کے لئے اسنے
پنچ وزیر مقرر کئے۔ جو سلطنت کا کام کیا کریں۔ ان وزیروں
ں سے ایک کو پردھان بنایا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی
شرط رکھی کہ ایک وزیر چھ مہینے سے زیادہ پردھان نہیں رہ
سکتا اور جب اسکی میعاد ختم ہو جائے۔ تو اسے جلاوطن کر دیا جائے
ر دریا سے پار جنگل میں بھیجدیا جائے اور اسکی جگہ پر نیا پردھان
بنایا جاوے۔ چنانچہ یہ قاعدہ جاری ہو گیا۔ جو پردھان بنتا۔ وہ
چھ مہینے کے بعد دریا پار جنگل میں نکالدیا جاتا۔ جہاں وہ بیچارہ بھوک
پیاس سے تنگ آکر تڑپتا ہوا مر جاتا۔ اسی طرح پانچ چھ وزیر
چکے تھے۔ کہ ایک عقلمند وزیر پردہان بنا۔ اسنے پردھان بنتے
ی دریا پار جنگل میں مکانات بنوانے شروع کر دیئے۔ کھیتی باڑی
کا کام بھی شروع کروادیا۔ دریا سے نہریں نکالکر دور جنگل تک
لیا۔ اور باغیچے اور پھل پھول کے درخت لگوا دیئے۔ غرضیکہ
ایک قسم کا ضروری سامان وہاں جمع کر دیا۔ جب اسکی
پردھانی کے چھ مہینے ہو گئے۔ تو وہ وزیر بھی دریا کے پار کر دیا گیا۔

پڑا۔ بلکہ وہ اسی آنند سے رہنے لگا۔ جیسا برھاپا میں تھا۔ اسے نہ بھوک سے تڑپنا پڑا۔ اور نہ پیاس سے لاچار ہونا پڑا۔

جانتے ہو۔ یہ کہانی کیا سبق سکھاتی ہے۔ سنیئے:

انسانی جسم جو آپکو دیا گیا ہے۔ یہ چھ مہینہ کی وزیری ہے۔ آپ کو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے۔ اور سب پر حکومت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا۔ لیکن مورکھ لوگ اس چھ مہینہ کی وزیری کو دشئے بھوگوں۔ اور اسیطرح سے دوسرے خرافات میں گذار دیتے ہیں۔ اور پرلوک کا کچھ فکر نہیں کرتے۔ اس وزیری کو پاکر جو لوگ آئندہ کا خیال نہیں کرتے۔ انہیں دوسرے جنم میں بھوک پیاس سے تڑپنا پڑتا ہے۔ انہیں جنگلی درندے پھاڑ کھاتے ہیں۔ انکا کوئی وہاں محافظ نہیں رہتا اس دنیا کے اندر جو بھوکے اور مفلس نظر آتے ہیں۔ جانتے ہو۔ یہ کون ہیں۔ یہ وہی چھ مہینہ کی وزیری کرنے والے لہو ولعب اور عیش وعشرت میں وزیری کو گذار نیوالے نادان لوگ ہیں۔ لیکن جو وچاروان ہیں۔ جو سمجھدار ہیں۔ وہ پرلوک کی سامگری کو ساتھ ساتھ جمع کرتے جاتے ہیں۔ بیشک اور سمجھدار لوگ دوارادہ جلاوطن یا دریا پار ہوکر بھی وہی سامان پاتے ہیں جو عہد وزارت میں ان کے پاس تھے۔ اس کہانی کو پڑھکر کیا آپ اپنی چھ مہینہ کی وزیری کا اچھا استعمال نہیں کرینگے؟

ایک منوہر کتھا

ہندوستان میں ایک بہت دولتمند بنیا رہتا تھا۔ دن رات اُسے اور زیادہ دولت جمع کرنے کا فکر دامنگیر رہتا تھا۔ اس دولت کے جمع کرنے میں وہ اسقدر ہوشیار رہتا۔ کہ ایک کوڑی بھی کہیں اِدھر اُدھر جانے نہیں دیتا۔ کیا مجال کوئی فقیر۔ سادھو یا غریب اس کے گھر سے کچھ لیجا سکے۔

ایک دفعہ کا ماجرا ہوا۔ ایک کنگال اپاہج بوڑھا بنئے کی استری سے بڑ دھرماتما اور ایشور بھگت تھی۔ تھوڑے سے چاول لے گیا۔ بنئے کو کسی طرح سے پتہ لگ گیا۔ دوڑا دوڑا گھر سے باہر نکلا۔ بوڑھا آگے نکل گیا تھا۔ بنیا اس کے پیچھے لپکا۔ اور آخر اسے جا ہی پکڑا۔ پکڑتے ہی اُسے گالیاں دیں۔ اور کہا۔ ارے تو میرے گھر سے یہ کیا لئے جاتا ہے۔ لالچیوں کا اچھا عزت ڈھنگ کرتے چلا رہے ہو۔ یہ کہکر چاول واپس لے لئے اور گھر میں پہنچکر اپنی استری کو بھی دو چار سنائیں۔ اور چاول ذخیرے میں ڈالدیئے۔

ایسے ہی دلچسپ واقعے اکثر ہو جاتے تھے۔ بنئے کی استری بارہا اُسے سمجھاتی تھی۔ کہ دیکھئے۔ سوامی! یہ دولت ساتھ جانے والی نہیں ہے۔ اسکا اچھا اپیوگ کرنا کہ پرلوک میں کام آئے کبھی بھولے سے رام ہی منہ سے کہ ڈالا کرو۔ لیکن بنئے پر اسکا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اور دن رات پیسے پر پیسہ۔ دونی پر دونی۔ روپے پر روپیہ۔ اشرفی۔ تھیلی پر تھیلی اور صندوق پر صندوق رکھنے میں ہی مشغول رہتا تھا۔ استری نے پھر سمجھانا شروع کیا۔ سوامی! یہ منشیہ شریر وشئے بھوگ کے لئے نہیں ہے بلکہ ایشور بھگتی کرنے کے لئے ہے۔ آپ اگر دان نہیں کرتے۔

تو وو کھڑی بھگتی ہی کیا کریں۔ یہ سنکر (کیونکہ اس میں پیسہ خرچ نہیں ہوتا تھا) بنئے نے کہا ہاں ہاں اچھی بات ہے۔ لیکن ابھی کیا جلدی پڑی ہے۔ ایشور بھجن بھی کر لیا جاوے گا۔

زمانہ اسی طرح گذرتا گیا۔ بنئے کو کبھی ایشور بھگتی کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ مقدمے بازی میں۔ روپیہ وصول کرنے میں لوگوں سے لڑنے جھگڑنے میں ہی وقت صرف ہوتا رہا۔ اتفاقاً یہ دولت مند بنیا بیمار ہو گیا۔ بنئے نے اپنی استری کو کہا۔ کوئی وید بلانا چاہیئے۔ چنانچہ وید بلایا گیا۔ اُسنے نسخہ لکھ استری نے دوائی منگوائی اور طاق پر رکھدی۔ بنیا انتظار کرتا رہا۔ کہ ابھی دوائی دی جاتی ہے۔ لیکن صبح سے شام ہو گئی۔ اور دوائی بنئے کو نہ پلائی گئی۔ آخر ہار کر بنئے نے عورت کو آواز دی۔ کہ دوائی اب تک کیوں نہیں پلائی؟ عورت نے کہا۔ دوائی منگوا کر رکھی ہوئی ہے۔

بیٹا:۔ تو پھر دیتی کیوں نہیں؟ کیا سوچتی ہے۔

عورت:۔ سوچتی کچھ نہیں۔ صرف یہی خیال ہے۔ کہ جلدی کیا پڑی ہے دوائی تو ہے ہی پلا ہی دی جائیگی۔ آج نہ پلائی۔ کل پلا دی جائیگی کل نہ پلائی۔ پرسوں دے دی جاویگی۔ کبھی نہ کبھی تو دے ہی دی جاویگی۔

بنیا:۔ اور اگر میں مرگیا تو دوائی کیا کام دیگی

عورت:۔ ہاں اب موت یاد آئی ہے۔ جب آپ کو ایشور بھگتی کرنے کو کہتی تھی۔ تب تو آپ کہتے تھے۔ کہ کیا جلدی پڑی ہے۔ پھر ہو جائیگی۔ اگر آپ کو مرنا یاد ہوتا۔ تو ایسا نہ کہتے جس اوشدھی کے لئے ہر روز کہتی تھی۔ وہ آپنے کبھی بھی پینے کی ضرورت نہیں سمجھی جو سب سے بڑی دوائی ہے۔ جس سے آتما شدھ ہوتا ہے۔ ور بلوان ہوتا ہے۔ جس کے پینے سے منشیہ کو پشوؤں کے جنموں میں جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اُس دوائی کے پینے کی تو اس جنم میں سخت ضرورت تھی

کیا معلوم اگلا جنم کسی پشو یونی میں ہو تو پھر وہ مہا اوشدھی کیسے بنی جا سکتی ہے -
ایکدفعہ میں نے زبردستی آپکو یہ اوشدھی پلائی تھی - لیکن آپ نے گھر سے نکلکر اور بوڑھے اپاہج کو گالیاں نکالکر اور اس سے چاول چھین کر پھر اُگل دی - سوامن ! آپ اس دوائی کی طرف اتنے متوجہ نہ ہوئے - آج اس دوائی کے لیے اتنا گھبرا رہے ہیں
بنیا :- اس دوائی سے شریر بچتا ہے -
عورت :- اس دوائی سے آتما بچتا ہے -
بنیا :- اس دوائی سے جسم طاقتور ہوتا ہے - اور کام کرنے کی شکتی آتی ہے -
عورت :- اس دوائی سے جسم اور آتما دونوں طاقتور بنتے ہیں - اور ہر ایک قسم کے کام ہوتے ہیں - جس کا آتما شدھ نہیں - اسکا مُنہ گدھوں ایسا بن جاتا ہے - جو ایشور بھگتی نہیں کرتا اس کے آتما کو حیوانوں کے جسموں میں رکھ دیا جاتا ہے - کیا یہ کم بد صورتی ہے - کیا اس طرح سے آپ کوئی دنیا کا کام کر سکتے ہیں کچھ سوچ سکتے ہیں - روپیہ جمع کر سکتے ہیں - ؟
بنیا :- میں مان گیا ہوں - پر یہ ! آج سے ہی میں ایشور بھگتی شروع کرتا ہوں -
کتنے ہی لوگ ہیں - جو اس دولتمند بنیا کی طرح آتما سے زیادہ جسم کی پرواہ کرتے ہیں - ان کا آتما نربل - کمزور - بزدل ہو - لیکن وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے - ہاں کمزور جسم کے لیے ٹانک چیزیں استعمال کرتے ہیں - کیا آتما کی طرف سے بے خبر - اور لاپرواہ ہو کر وہ دائمی سکھ حاصل کر سکیں گے ؟ کداپی نہیں -

دھن پاس رکھنے میں سکھ ہے یا تیاگ کرنے میں

دور کا سفر تھا۔ راستے میں جنگل تھے۔ دریا تھے۔ ریگستان تھے۔ اور جھیلیں تھیں ایسے جان جوکھم کے سفر میں گورو اور چیلا پا پیادہ جا رہے تھے۔ مزے مزے سے سفر کٹ رہا تھا۔ کہ باتوں باتوں میں گورو چیلہ کے درمیان یہ بحث چھڑ پڑی کہ دھن کا تیاگ اچھا ہے یا جمع کرنا۔

گورو اپنی لمبی تقریر میں اس بات کی دلائل دیتا تھا۔ کہ تیاگ ہی اچھا ہے۔ تیاگ ہی سے سکھ ملتا ہے۔ تیاگ ہی پارلیجاتا ہے تیاگ ہی سے پریم آنند ملتا ہے۔ دھن کا جمع کرنا لاکھ دکھوں کو جمع کرنا ہے۔ پہلے تو جمع کرنے میں مشقت اٹھاتا۔ دکھ جھیلنا بے ایمانی کرنا۔ سو فریب کرنا۔ پھر اس کی حفاظت میں جان کا خطرہ۔ دن رات چورا سے جانیکا ڈر نہ سونے کا سکھ۔ نہ سیر کا آنند۔ اگر چلا جائے تو پران بھی لے جائے۔ ایسے دھن کے جمع کرنے سے تو اسکا تیاگ ہی اچھا ہے۔

چیلہ اپنی تقریر میں اس فلسفہ پر زور دیتا تھا۔ کہ نہیں دھن جمع کرنا بڑا مفید ہے۔ دھن جمع کرنیسے بہت فائدے ہیں جس کے پاس دھن ہوتا ہے اس کی لوگ عزت کرتے ہیں۔ اونچے اونچے عہدے دیتے ہیں جھک جھک کر سلام کرتے ہیں سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ دولت تمام آرام ہمکو پہنچاتی ہے ہر طرح کا سکھ اس سے مل سکتا ہے

چور کا خطرہ ہو تو چوکیدار رکھے جاتے ہیں۔ میرا پورن وشواش ہے۔ کہ دھن جمع کرنا بہت اچھا کام ہے۔ جو لوگ دھن اپنے پاس نہیں رکھتے۔ وہ دکھ میں ہی پڑے رہتے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے۔ کہ غریب کس طرح سے دُکھ اُٹھاتے ہیں

گورو نے پھر کہا۔ بیٹا! تو غلط راستہ پہ چل رہا ہے۔ پھر سنو! اور سمجھو! کہ سکھ دھن کے تیاگ میں ہے۔ جمع کر رکھنے میں نہیں۔

چیلے نے کہا۔ آپ سے کون مغز مارے۔ آپنے تو ایک ہی ہٹ پکڑ رکھا ہے یہ گفتگو یہیں ختم ہو گئی۔ اور ایک چھوٹے جنگل کے بعد ایک چھوٹا سا دریا راستہ میں آ گیا۔ گورو چیلہ دونو کنارے پر پہنچے۔ کشتی موجود تھی۔ چیلے نے جھٹ اپنی انٹی سے دو پیسے نکالے۔ اور کشتی پہ سوار ہوکر پار ہوکر کنارے کے دوسری طرف پہنچکر زور سے چلا کر گورو کو کہنے لگا۔

کہو گوروجی۔ سکھ دھن جمع کرنے میں ہے۔ یا تیاگ کرنے میں اب بھی آپ سمجھے یا نہیں۔

گورو:۔ مورکھ کیوں الٹی باتیں کرتا ہے۔ سوچ اور سمجھ کہ جبتک پیسہ تیرے پاس تھا۔ تب تو دریا کے اس کنارے پر تھا۔ لیکن جب تونے پیسے کا تیاگ کیا۔ تبھی تو پار پہنچا چیلے نے جب اس معمے کو سمجھا تو وہ اپنی فلاسفی پر نادم ہوا۔ اور گورو کو نمسکار کیا۔ درحقیقت سکھ تیاگ میں ہے۔ عزت اسی دولتمندی کی ہوتی ہے۔ جو اپنا روپیہ اچھے کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ یا نیک کاموں کے لئے روپے کا تیاگ کرتا ہے۔ پس اصلی سکھ تیاگ میں ہے۔ نہ کہ دھن کنجوسوں کیطرح جمع کرنے میں جو لوگ چیلے کی طرح اس معمے کو سمجھتے ہیں۔ وہ راستی کو پالیتے ہیں۔ اور اپنے دھن کا اپنی دولت کا اور اپنی ملکیت کا جائز تیاگ کرسکتے ہوتے ہیں۔

کیا بننا چاہتے ہو؟

مرد یا عورت

ایک راجہ بیتاب تھا۔ بیقرار تھا۔ اسے کسی پہلو کل نہیں پڑتا تھا۔ کیونکہ اس کا گھر اولاد کے چراغ سے روشن نہیں تھا۔ شمعیں جلتی تھیں۔ لیمپ روشن ہوتے تھے۔ ہیروں کی چمک روشنی پیدا کرتی تھی۔ لیکن راجہ کو محل اندھیرا معلوم ہوتا تھا اسکے دل میں تاریکی تھی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے کوئی نورانی شکل نہ تھی۔ جو اس کے دل کو ہی روشن کر سکے۔ آخر اس کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ خوشی کے شادیانے بجے اور محل بھر انبساط اور خوشی ہنسی کے ترانوں سے بھر گیا۔ لڑکی بڑھی اور بڑھتے بڑھتے لڑکی بن گئی۔ لیکن راجہ حیران ہے۔ رانیاں پریشان ہیں اور کبھی جو اس بات کو سنتا ہے۔ پشیمان ہوتا ہے کہ لڑکی کپڑے نہیں پہنتی۔ ادہر کرتا پہنایا۔ ادہر اسنے پھاڑ کر پھینک دیا ادھر دھوتی باندھی اور اس نے الگ کر دی۔ لاکھ لاکھ کوششوں سے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ لیکن لڑکی کچھ ایسی ضد پر قائم ہے۔ کہ وہ کپڑوں کو الگ پھینک دیتی ہے اور ذرا بھر بھی کپڑا پہننا پسند نہیں کرتی۔ وقت ایسے ہی گذرتا گیا۔ ایک سال دو سال۔ تین سال، چار سال اسی طرح خاصہ زمانہ گذر گیا۔ لڑکی بچپن سے نکلکر جوان ہونے لگی۔ لیکن اسے کپڑے سے۔

سے عاری ہے۔ وہ بے جھجک برہنہ ہی پھرتی ہے۔ اور مطلق شرم محسوس نہیں کرتی۔ راجہ نے کئی یتن کیئے۔ بہتری کوششیں کیں۔ لیکن کوئی بھی تجویز کارگر نہیں ہوئی

آخر ایک دن راجہ کے محل میں ایک مہاتما سادھو آگئے لڑکی نے اس سادھو کو دیکھا۔ اور دوڑ کر اندر چلی گئی۔ اور کپڑے پہن لیئے راجہ نے جب اُسے کپڑے پہنتے دیکھا۔ تو بہت خوش ہو کر لڑکی سے پوچھا یہ آج کیسا اچھا دن ہے۔ جو تمہیں کچھ سمجھ آئی ہے۔ لیکن یہ تو بتلاؤ کہ پہلے کیوں کپڑے پہننے سے انکار کرتی تھی۔ اور کپڑے پھاڑ کر پھینک دیتی تھی۔ حالانکہ ہم نے لاکھوں لاکھ کوششیں کیں۔ تو بھی تو نے کپڑے نہیں پہنے۔ اس پر اس لڑکی نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

پتا جی! سنو۔ استری کو مرد سے شرم ہوتی ہے۔ عورت سے عورت کو کوئی شرم نہیں ہوتی۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ تب سے آپکے نگر میں مجھے کوئی بھی مرد نظر نہیں آیا۔ آج ایک سادھو ہمارے محل میں آیا میں نے اُسے دیکھا کہ وہ مرد ہے۔ پس میں نے فوراً کپڑے پہن لیئے۔ راجن! مرد کس کا نام ہے؟ مرد اُسے کہتے ہیں جس نے اپنے شریر اور اندریوں کو اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ اور جس نے اپنے شریر اور اندریوں کو اپنے وش میں نہیں رکھا وہ مرد نہیں ہے۔ پس سچے ایشور بھگت کے علاوہ اور کوئی مرد ایسا نہیں ہو سکتا۔ جو ان کو وش میں کر سکے۔ مجھے آپکے شہر میں کوئی ایسا ایشور بھگت نظر نہیں آیا۔ اس لیئے میں کسی کو مرد نہیں سمجھتی آج میں نے ایک ایشور بھگت دیکھا ہے۔ اس لیئے مجھے شرم آئی اور میں نے کپڑے پہن لیئے۔

یہی مطلب گارگی اور یاگولکیہ کی دلچسپ گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے

جس میں گارگی یاگیولکیہ کو کہتی ہے۔ کہ ہے یاگیولکیہ میں اس جگت کو اپورش یعنی پرش ہین" دیکھتی ہوں۔ مجھے اس دنیا کے اندر کوئی پرش یعنی مرد نہیں دکھلائی دیتا۔ آگے چل کر گارگی کہتی ہے۔ کہ جو پرش اپنے ہردیہ میں پچھت آتما کو نہیں جانتا وہی استری ہے"

درحقیقت وہ مرد مرد کہلانے کا مستحق نہیں۔ جو اپنے آپ کو پہچان کر ایشور بھگت نہیں بنتا۔ جو مرد مرد ہو کر اپنے آپ کو دنیوی عیش و عشرت کا غلام بنا دیتا ہے۔ وہ ایک طرح سے عیش و عشرت کو اپنا پتی تصور کر لیتا ہے۔ اور خود پتنی بن جاتا ہے۔ ایک مرد دولت کے لئے بے قرار رہ کر اسے ہی اپنا مانا پتی کر دیتا ہے۔ دوسرا ماس کے لوتھڑوں کے لئے بیتاب اور بے چین رہ کر انہیں اپنا پتی بنا لیتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ ان کے بغیر میرا گزارہ نہیں ہے۔ تیسرا دنیا کی کسی اور چیز کا اسقدر مطیع ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اس چیز کو ہی اپنا پتی تصور کرنے لگتا ہے۔ اس طرح سے دنیا کا ہر ایک مرد ایک نہ ایک عورت میں عورت بن جاتا ہے۔ اور اپنے اصلی مردپن کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس بات کو زیادہ واضح کرنے کیلئے آپ ایک دولتمند کی مثال کو لیں۔ ایک دولتمند دولت کا اسقدر غلام ہے کہ وہ اس سے ایک منٹ کے لئے بھی جدا ہونا اپنی موت کا خیال کرتا ہے کسی طرح سے وہ دولت اس سے چھین لی جاتی ہے۔ اب وہ دولتمند اس دولت کے فراق میں پتی ورتا استری کی طرح کڑھتا اور تڑپتا ہوا بسا اوقات خودکشی کر لیتا ہے۔ کیا ان معنوں میں وہ دولتمند دولت کی عورت نہیں ہے؟

اب یا تُھک بتلائیں - کہ وہ کیا بننا چاہتے ہیں - انہیں مرد بننا منظور ہے - یا عورت ؟ اس بات کا فیصلہ وہ خود ہی کر سکتے ہیں - کیونکہ یہ اُن کے اپنے ہاتھ میں ہے - شریر اور اندریوں کو وش کرنا ایک مرد کہلانے والے انسان کے لئے اشد ضروری ہے - اور شریر و اندریاں ایشور بھگتی سے ہی وش میں ہو سکتی ہیں - سچا ایشور بھگت ان کا مالک ہوتا ہے - ان کا پتی ہوتا ہے - لیکن جو ایشور بھگت نہیں - وہ شریر اور اندریوں کی پتنی بن جاتا ہے - جو لوگ اس نکتے کو سمجھیں گے یقیناً وہ کبھی ناستک بن کر اپنے جیون کو برباد نہیں کریں گے ۔

سنگیت مہابھارت

آریہ جاتی کا بہترین قومی درشا ناٹک کی طرز پر از قلم مشہور لطیف رقم مہاشہ سدرشن جی نلسٹ لاہور - سب سے نرالا اور نرود دار سطر سطر میں جوش ایثار محبت اور قربانی کی زندہ مثالیں جس کے پڑھنے سے عالم وجد طاری ہو جاتا ہے اخبارات نے بہت اعلیٰ ریویو لکھے ہیں قیمت حصہ اول ۸/ر

ملنے کا پتہ

راجپوت پرتھوی راج تاجران کتب لوہاری گیٹ لاہور

اِکّو (۱) تیرے در کار

راجہ کی فوج یلغار کرتی دوسرے راجہ کے ملک پر جا چڑھی کئی روز گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ آخر حملہ کرنے والے راجہ نے فتح پائی۔ اور راجہ شادیانے بجاتا دوسرے راجہ کے ملک میں داخل ہو گیا۔ ملک کے انتظام اور دیگر کار و بار کے لئے راجہ مدت تک وہیں ٹھہرا رہا۔ جب واپسی کا زمانہ قریب آگیا۔ تو اس نے تمام رانیوں کو پر از محبت خطوط لکھے۔ اور ساتھ ہی دریافت کیا۔ کہ کہو میں تمہارے لئے اس ملک سے کیا کیا تحفہ لاؤں۔ رانیوں نے ان خطوط کو پڑھا۔ اور ان کی باچھیں کھل گئیں۔ رانیوں نے سمجھا تھا۔ کہ راجہ ہم کو بھول گیا۔ لیکن اس خط نے سارے وسوسے۔ کل اندیشے۔ تمام اوسان مٹا ڈالے۔ ہر ایک رانی نے علیحدہ علیحدہ خط لکھا کسی نے تحریر کیا "راجن! میرے لئے تو اس ملک کے ایسے خوبصورت زیورات لانا جنہیں میں پہن کر خوش ہو جاؤں"۔ کسی نے لکھا۔ "پران پتی! میرے واسطے اس طرف سے اعلےٰ سے اعلےٰ جو ریشم بنتا ہے۔ اس کے کپڑے بنوا کر لانا"۔ تیسری نے لکھا "پران ناتھ! میرے لئے ان خوبصورت پہاڑوں کے ہیرے اور جواہرات لانا۔ جنہیں پہن کر میں پھولی نہ سماؤں"۔ ایک اور نے لکھا "بھگوان! ان سر سبز پہاڑوں سے کوئی ایسی بوٹی لانا جس سے

میری گود ہری ہو" پانچویں نے تحریر کیا "راجن! مجھے تو اس دیش کے میٹھے اور مزیدار پھلوں کی خواہش ہے اسی طرح چھٹی نے اور ساتویں نے بھی لکھا۔

(۲)

لیکن سب سے چھوٹی رانی نے ایک عجیب لیکن واقعی بات لکھی۔ اور وہ یہ کہ سفید کاغذ پر صرف (ایک) کا ہندسہ لکھکر بھیجدیا۔ راجہ کے پاس یہ کل خطوط پہنچے۔ اس نے خود ان کو کھولا۔ اور تمام رانیوں کی فرمائشوں کو پڑھا۔ لیکن سب سے چھوٹی رانی کے خط کا مطلب کچھ نہ سمجھ کر اس نے وزیر کو بلایا۔ اور کہنے لگا:۔

دیکھو سب رانیوں نے کچھ نہ کچھ لانے کے لئے لکھا ہے لیکن یہ چھوٹی رانی کیسی بے وقوف ہے۔ کہ اس نے صرف خالی ا (ایک) کا ہندسہ ہی لکھکر بھیجدیا ہے۔

وزیر:۔ راجن! یہ رانی بیوقوف نہیں۔ بلکہ سب سے عقلمند ہے۔ اور رانیوں نے تو فضول چیزیں مانگی ہیں۔ لیکن اسکے دل کے اندر آپ کی اسقدر محبت ہے۔ کہ وہ صرف آپکو چاہتی ہے۔ اور کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ اس کے (ایک) لکھنے کا یہی مطلب ہے۔ اُسے صرف آپکی خواہش ہے اور کسی چیز کی نہیں۔

(۳)

اب تمام رانیوں کے حسب منشا چیزیں خریدی گئیں۔ اور راجہ بھی اپنے وطن میں پہنچ گیا۔ تمام رانیوں کو انکی حسب فرمائش تمام چیزیں بھیجدیں۔ اور خود سب سے چھوٹی رانی کے پاس چلا گیا۔ اور

اس کے ساتھ ہی راجہ کا اور تمام مال ومتاع۔ دھن دولت جو اُس ملک سے لایا تھا۔ وہ بھی اُسی کے گھر چلا گیا۔

(۴)

یہ ایک کہانی ہے اسے جھوٹا سمجھو یا سچا۔ لیکن یہ ایک عجیب اور منوہر سبق سکھلاتی ہے۔ یہ ان لوگوں کی آنکھیں بھی کھولتی ہے اور کان بھی جو ایشور بھگتی۔ اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں دولت مل جائے۔ کوئی زمین کی خاطر۔ کوئی مقدمہ جیت لینے کے لئے۔ ایشور پرارتھنا کرتا ہے۔ اکثر اور بیشمار دنیوی غرضوں کے لئے پرارتھنا۔ اپاسنا کرتے ہیں ہر کسی کو شہرت کی خواہش ہے کسیکو تندرستی کی۔ اکثر کو بڑا بننے کی غرضیکہ اس قسم کی ایشور بھگتی کرنے والے بیشمار ہیں۔ جنکے دل میں کوئی نہ کوئی دنیوی غرض پوشیدہ ہے۔ ایسے لوگوں کو بیشک چیزیں ملتی ہیں۔ لیکن اتنی ہی ملتی ہیں۔ جتنی وہ طلب کرتے ہیں اس سے زیادہ ایشور بھگتی کا پھل ان کو نہیں ملتا۔ لیکن جو سب سے چھوٹی رانی کیطرح صرف ایشور پراپتی کیلئے پرارتھنا کرتے ہیں۔ اس سے صرف ایشور پراپتی کیلئے پرارتھنا کرتے ہیں انہیں ایسے جہاں ایشور کے درشن ہوتے ہیں۔ وہاں اور بھی تمام چیزیں مل جاتی ہیں۔

ایشور کا سچا بھگت سنہری روپہری ٹھیکریوں کیلئے پرارتھنا نہیں کرتا۔ وہ مانس کا ایک زندہ لوتھڑا لینے کیلئے اس کے آگے سر نہیں ٹپکتا وہ دنیوی سکھوں کے لئے جو دراصل دکھ ہیں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ نشکام ہو کر بیغرض ہو کر ایشور بھگتی کرتا ہے۔ اور یہی واقعی اور صحیح معنوں میں کامیاب ہوتا ہے

جو آدمی ایشور بھگتی ایشور کے لئے کرتا ہے۔ اسے سب کچھ ملتا ہے
چنانچہ اتھرو وید میں آیا ہے کہ

دولیش۔ کیرتی۔ میگھ۔ برہم ورچس۔ ان اور پشتی دینے
والی چیزیں اس بھگت کے لئے ہیں۔ جو ایک ایشور کی پوجا کرتا ہے
دنیوی چیزوں کے لئے پوجا کرنا۔ اتنے عظیم الشان شہنشاہ
سے چند ٹھیکریاں مانگنا اور ننھی ننھی چیزوں کے لئے اس کے آگے
گڑگڑانا اس کی بھی ہتک کرتا ہے۔ اور اپنی زندگی کو بھی تباہ
کرتا ہے۔

پوجا اس کو نشکام ہو کر یہ کرو بھگتی بغیر خواہش کے اور پھر
دیکھو کہ جہاں تمہیں پرم آنند ملیگا۔ وہاں دنیا کے تمام سکھ اور
ایشور بھی مل جائیں گے۔ کیونکہ شرتی میں اس قسم کی پوجا کے
حق میں بڑے دعوے کے ساتھ کہا ہے۔ اور ویدبانی کبھی بھی مثنیہ
نہیں ہو سکتی آپ آریہ پرش بتلائیں۔ کہ وہ کس قسم کی بھگتی
کرنا پسند کرتے ہیں؟

"شیل" کا

بیٹا سُن! میں تجھے ایک کتھا سناتا ہوں۔ دھرتراشٹر نے دریودھن سے یہ کہا۔ اور پھر ایک قصّہ بیان کرنا شروع کیا۔ جو یہ ہے۔

مدتیں گذر گئیں۔ پہلے زمانہ میں پرہلاد نامی ایک راکھشش رہتا تھا۔ لیکن اُسنے "شیل" کی بدولت "اندر" کی سلطنت پر بھی ہاتھ مارا۔ اور خود راجہ بن گیا۔ اندر نادار ہوکر برہسپتی کے پاس دوڑا گیا۔ کہ اب میں کیا کروں۔ میرا کلیان کیسے ہو۔ برہسپتی نے اُسے کہا۔ اندر! تو برہمن کا بھیس دھارن کرکے پرہلاد کے پاس ہی جا۔ وہی تجھے بتلائیگا۔ کہ تیرے کلیان کا کونسا طریقہ ہے۔ چنانچہ اندر براہمن کے لباس میں ملبوس پرہلاد کے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا۔ راجن! میں آپکے پاس اسی لئے آیا ہوں۔ کہ میرا کلیان جس بھی طریقہ سے ہو۔ آپ اُسکا اپدیش کریں۔

پرہلاد نے اُسے عزت سے بٹھلایا۔ خاطر تواضع کی جب دونوں فراغت سے بیٹھے۔ تو اندر نے موقعہ دیکھکر یہ سوال کیا۔ "راجن یہ آپ نے ترلوکی کا راج کیسے حاصل کیا؟"

پرہلاد نے کہا عزت کے قابل براہمن! سنو میں کبھی دھرم سے

ادھر اُدھر نہیں ہوا۔ کوئی راجہ دھرم پر قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن میں نے سچے براہمنوں اور سنیاسیوں کو اپنا راہنما بنایا۔ وہ مجھے...... خالص دھرم کے راستے پر چلاتے رہے۔ اور اُسی وسیلے سے مجھے یہ راج مل گیا۔

دیر تک ایسی ہی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر پر ہراد نے اندر سے کہا۔ ہے براہمن میں تجھ سے بہت خوش ہوا ہوں۔ کہیئے میں آپکی کیا سیوا کروں۔

اندر :۔ راجن! میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے صرف "شیل" دے دیجئے :۔

پرہراد نے خندہ پیشانی سے "شیل" دے دیا

شیل لیکر جب اندر چلا گیا تو اندر کو بعد میں غم و فکر ستانے لگا۔ اتنے میں ہی پرہراد کے جسم میں سے ایک نور نکلا۔ اُسے دیکھ کر پرہراد نے پوچھا "تو کون ہے"؟

اُس مجسم روشنی نے جواب دیا۔ میں "شیل" ہوں"

پرہراد۔ تو کہاں جاتا ہے :۔

نور :۔ میں تیرے براہمن اندر کے پاس جاتا ہوں۔ کیونکہ تو نے میرا تیاگ کر دیا ہے۔ یہ کہکر وہ نور کا شعلہ غائب ہو گیا

اس نور کے جاتے ہی پرہراد کے چہرے پر کچھ مُردنی سی چھا گئی۔ کچھ وقت اور گذر گیا۔ اور ایک اور نور کا شعلہ پرہراد کے جسم میں سے نکلا۔

پرہراد نے اُسے بھی پوچھا۔ اے تیج! تو کہاں جاتا ہے اور تو کون ہے۔

تیج :۔ پرہراد! میں وہاں جاتا ہوں۔ جہاں شیل گیا۔ اور

کرایہ کی گاڑی

کرایہ کی گاڑی ایک دُرگم جنگل سے جارہی ہے اس میں ایک سوار بیٹھا ہے۔ بار بار گاڑی بان سے آواز آتی ہے۔ کرایہ ادا کرو۔ کرایہ ادا کرو۔ سوار کرایہ کی جلدی جلدی مانگ سے سخت تنگ آگیا ہے دو قدم گاڑی چلتی ہے۔ تو پھر کرایہ ادا کرنیکا حکم ہو جاتا ہے۔ راستہ بڑا کٹھن ہے۔ بغیر گاڑی کے منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ کچھ ناممکن سا ہے۔ لیکن سوار اب تو بے طرح تنگ ہو چکا ہے۔ پہلے ہی گاڑی بان سوار کا گاڑی کے لئے بہت کچھ خرچ کرا چکا ہے۔ کبھی گاڑی پر روغن کرادو۔ گاڑی ٹھہرنے کے لئے عمدہ جگہ بنادو۔ گھوڑوں کے لئے طرح طرح کا عمدہ گھاس۔ لذیذ دانہ اور ایسے ہی لوازمات اکھٹے کردو۔ گھوڑوں کے لئے عمدہ جھول۔ گاڑی کی سجاوٹ کے دیگر سامان اور سارا ساز وغیرہ لے دو۔ اس خرید و فروخت میں سوار کو منزل مقصود کی طرف جاتے ہوئے بسا اوقات جگہ جگہ پر ٹھہرنا پڑتا تھا۔ اور وقت ضائع ہوتا تھا۔ اتنی باتوں کے باوجود پھر بھی کرایہ کی طلبی بروقت ہوتی تھی۔ اِدھر اُسنے منزل مقصود پر جلدی پہنچنا تھا۔ اُدھر گاڑی بان تنگ کر رہا تھا۔ کہ گاڑی کا پہلا روغن خراب ہو چکا ہے۔ اب اور کرا لیا جائے۔ غرضیکہ اسی طرح سے سوار کو تنگ کیا جارہا ہے۔ اور اسے اصلی جگہ پر پہنچنے میں خواہ مخواہ دیر لگائی جاری ہے۔

یا بھلا یہ سوار کون ہے؟ یہ سوار آپ ہی ہیں۔ حیران نہ ہو سچ سچ آپ ہی سوار ہیں۔ آپ ایک کرایہ کی گاڑی پر سوار ہیں جس کا مالک ہر وقت کرایہ مانگتا رہتا ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے واسطے ہوا نہ ملے تو اندر سے آواز آتی ہے نکلو باہر۔

اگر بیس گھنٹے تک پانی نہ ملے۔ تو آواز آتی ہے۔ نکلو باہر۔ اگر مہینہ یا پانچ روز خوراک نہ ملے۔ تو آواز آتی ہے۔ نکلو باہر۔ ایسے کرایہ کی گاڑی میں بیٹھ کر جس کا مالک منٹ منٹ میں کرایہ مانگتا ہے آپ کیسے اس گاڑی کو اپنا کہہ سکتے ہیں۔ یہ کرایہ کی گاڑی جسے آپ اپنا سمجھے بیٹھے ہیں۔ آپ کا جسم ہے۔ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے گاڑی کی ضرورت ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ آپ اس کو اپنی ہی گاڑی سمجھیں۔ اور اس کی سجاوٹ میں ہی وقت ضائع کر دیں اس جسم روپی گاڑی کو کرایہ ادا کرنا تو لازمی ہے۔ لیکن یہ لازمی نہیں کہ آپ اس کرایہ کی گاڑی کو اپنا سمجھ اور مان کر بجائے منزل مقصود تک پہنچنے کے اسی گاڑی کی سجاوٹ اور زینت میں تمام عمر ضائع کر دیں۔ اور منزل کی طرف ایک قدم بھی نہ چلیں۔ گاڑی کے گھوڑوں کے کھلانے پلانے میں زیادہ وقت خرچ کرنا نادانی ہے

اے کرایہ کی گاڑی پر سوار لوگو! اس نکتہ کو سمجھو۔ اور دیکھو کہ کیا تمہارا یہ فرض ہے۔ کہ تم گاڑی کی سجاوٹ میں سارا وقت ضائع کر دو۔ یا تمہاری یہ ڈیوٹی ہے۔ کہ اسے اپنا معمولی کرایہ ادا کر کے اسے تیزی کے ساتھ منزل مقصود کی طرف چلنے کیلئے ہانکو۔ اور جتنی جلدی ہو سکے۔ اسے وہاں لے چلو۔

چندن کے کوئلے نہ بناؤ

لق و دق جنگل میں ایک لکڑہارا سے پانی کا لوٹا لیکر پیش ہوا ہوا راجہ کہنے لگا۔ اے پانی پلانے والے! میری راجدھانی میں کسی دن ضرور آنا میں تمہیں انعام دونگا۔ لکڑہارے نے بہت اچھا کہا۔ اس واقعہ کو بہت مدت گذر گئی۔ آخر ایک دن لکڑہارا چلتا چلتا راجدھانی میں جا پہنچا۔ اور راجہ کے پاس جاکر کہنے لگا میں وہی لکڑہارا ہوں۔ جس نے آپ کو پانی پلایا تھا۔ راجہ نے اس کو دیکھا اور بڑی خندہ پیشانی سے بٹھلا کر سوچنے لگا کہ اس نردھن کا دکھ درد کیسے دور کروں۔ آخر اس نے سوچ بچار کے بعد چندن کا ایک لمبا چوڑا باغ اس کو سونپ دیا۔ لکڑہارا بھی دل میں خوش ہو گیا۔ چلو اچھا ہوا۔ اس باغ کے درختوں کے کوئلے خوب ہوں گے۔ زندگی کٹ جائیگی۔ یہ سوچکر لکڑہارا ہر روز چندن کاٹ کاٹ کر کوئلے بنانے لگا۔ اور انہیں فروخت کر کے اپنا پیٹ پالنے لگا۔ تھوڑے عرصہ میں چندن کا خوبصورت باغ ایک ویرانہ بن گیا جس میں جا بجا سیاہ کوئلوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اس میں اب صرف چند درخت رہ گئے ہیں جو لکڑہارا کے لئے سایہ کا کام دیتے تھے۔ راجہ کو ایک دن یونہی خیال آگیا چلو ذرا لکڑہارا کا حال دیکھیں۔ چندن کے باغ کی بھی سیر ہو جائیگی۔ یہ سوچکر راجہ چندن کے باغ کیطرف چل نکلا۔ اسنے دور سے باغ میں سے دھواں اٹھتے دیکھا۔ نزدیک

آنے پر معلوم ہوا کہ چندن جل رہا ہے۔ اور لکڑہارا پاس کھڑا ہے۔ دور سے راجہ کو دیکھ کر استقبال کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن راجہ نے آتے ہی کہا۔ بھائی! یہ تو نے کیا کیا؟ لکڑہارا! آپ کی مہربانی سے اتنا عرصہ آرام سے گزر گیا۔ آپ نے یہ باغ دیکر میرا بڑا احسان کیا۔ کوئلہ بنا بنا کر بیچتا رہا ہوں۔ اب تو صرف چند درخت رہ گئے ہیں۔ اگر کوئی اور باغ مل جائے تو باقی زندگی بھی گزر جائے
راجہ مسکرایا اور کہا۔ اچھا میں یہاں کھڑا ہوتا ہوں۔ تم کوئلہ نہیں۔ بلکہ اس لکڑی کو بیچا کر بازار میں فروخت کر آؤ۔ لکڑہارا نے دو گز کی لکڑی اٹھائی۔ اور بازار میں لے گیا۔ لوگ چندن دیکھکر دوڑے اور آخر کار اسے تیس روپے مل گئے۔ لکڑہارا قیمت لیکر روتا ہوا راجہ کے پاس آیا۔ اور زار زار روتا ہوا اپنی بدقسمتی کا اعتراف کرنے لگا۔ اس حصہ میں چندن کا باغ منشیہ کا شریر ہے۔ اس کا ایک ایک سوانس چندن کا درخت ہے۔ جب ایشور روپی راجہ کسی کرم یا ایشور بھگتی سے خوش ہو کر منشیہ شریر کا باغ دیتا ہے۔ تو انسان کی دولتمندی کا وقت آتا ہے۔ لیکن افسوس مورکھ انسان اسے وشے بھوگ کی آگ میں جلا جلا کر کوئلہ کر دیتا ہے۔ ہم سب ہی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ لیکن ابھی چندن کے درخت باقی ہیں۔ آؤ انہیں سے فائدہ اٹھائیں۔

پھول کی تصویر اور بھونرا

ایک عالیشان محل کے سجے ہوئے کمرہ میں ایک خوبصورت نوجوان لڑکا تنہا بیٹھا ہے۔ وہ کمرے کی تصویروں کو بغور دیکھ رہا ہے۔ دیواروں پر مختلف قدرتی نظاروں۔ باغوں۔ گلدستوں۔ لڑائیوں اور طرح طرح کے منظروں کی کئی تصاویر ہیں۔ دیکھتے دیکھتے اس کی نظر ایک پھول کی تصویر پر رک گئی۔ مصوّر نے اس پھول کی تصویر بنانے میں کمال کیا تھا پنکھڑیوں کے اندر ویسی ہی سرخی تھی۔ نیلاہٹ اور سبزی بھی اسی قدر نظر آتی تھی۔ ڈنڈی اور اس کے ساتھ لگے ہوئے کانٹے اور پتے بھی ویسے ہی دکھلائی دیتے تھے۔ لڑکا مصوّر کی کاریگری پر حیران ہو رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ یقیناً اس پھول کے اصلی اور نقلی ہونے کی تمیز کرنا ذرا مشکل ہے۔ اتنے میں اسنے دیکھا کہ ایک بھونرا اڑتا ہوا کمرے کے اندر داخل ہوا۔ اس نے سارے کمرے میں چکر لگایا اور اسی پھول کی تصویر پر بڑی بے تابی سے بیٹھ گیا۔ لیکن وہ جلدی ہی پھر اڑا۔ اور پھول کی تصویر کے ارد گرد گھومنے لگا بھونرا ایک اور بار تصویر پر بیٹھا۔ لیکن بیٹھتے ہی پھر اڑا۔ اس کی پرواز اس کی حرکات صاف بتلاتی ہیں کہ اس کا دل بیکل ہو رہا ہے۔ وہ اضطراب اور گھبراہٹ کا شکار ہوا ہوا ہے۔ اور اسے کسی پہلو چین نہیں آتا۔ بھونرا اب اڑ کر کمرے سے باہر نکل چکا تھا لیکن پھر پلٹا اور آ کر بیتابی سے تصویر پر بیٹھ گیا۔ لیکن اب کے وہ مست پٹا کر اڑا۔ اسکے ننھے ننھے پروں

ایک عجیب آواز نکلی جس آواز نے دل میں اترتے ہی الفاظ کی شکل اختیار کر لی۔ اور ان الفاظ کا ایک فقرہ بن گیا۔ وہی فقرہ نوجوان کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ اے پھول کی تصویر! تو خوبصورت ہے۔ تیرا رنگ بیشک دھوکا دینے والا ہے۔ لیکن تجھ میں نہ اصلی پھول جیسی ملائمت اور نہ خوشبو ہے مجھے شہد کی ضرورت تھی۔ جو تو دے نہیں دے سکتا۔ تو کسی کی آنکھوں کو ذرا سی خوشی دینے کے کام آ سکتا ہے لیکن جو تجھ سے دھوکا کھا کر تجھ پر دستو اس کرکے تیرے سہارے آ کر بیٹھتے ہیں۔ تو انکو نہ خوشبو دیتا ہے۔ نہ شہد دیتا ہے۔

دنیا کے اندر وہ لوگ بھی بجنسہ اس پھول کی تصویر کی طرح ہیں جنکا جسم خوبصورت ہے۔ جو دولتمند ہیں۔ لیکن دنیا کے کسی کام نہیں آتے۔ حاجتمند ان کے پاس آتے ہیں۔ لیکن نراش جاتے ہیں جو تکلیم کے ڈر سے کانپتے اور ٹھوکریں کھاتے نکلتے ہیں۔ ایسے انسان اصلی انسان نہیں۔ بلکہ نقلی انسان ہوتے ہیں۔ اصلی انسان وہ ہیں۔ جو پھول کی طرح دنیا کو خوشبو دیتے ہیں۔ شہد دیتے ہیں جنکی گھڑیاں دوسروں کو آرام پہنچانے کے کام آتی ہیں جنکی زندگی کا ایک ایک لمحہ دوسروں کے لئے وقف ہوتا ہے۔ پاٹھک! بتلاؤ دنیا کے اندر رہ کر تم دھوکے دینے والے نقلی پھول بننا چاہتے ہو۔ اصلی پھول؟ اس سوال کو من میں وچارو۔ اور جواب دو۔

امرت پان حصہ دوم

امرت پان حصہ اول آپ نے پڑھ لیا۔ کیا مزیدار موثر ننھی ننھی کہانیاں ہیں کتنی دلکش اور دلفریب ہیں۔ قدرتی نظاروں سے کیسے سبق آموز نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ زندگی کے اندر شما س کرنے اور اطمینان قلب حاصل کرانے کے لئے اگر انہیں امرت کے گھونٹ کہا جاوے تو بجا ہوگا۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ چھ ماہ کے اندر پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا۔ اور پبلک کی مانگ بدستور رہی جس کی وجہ سے باوجود کاغذ کی از حد گرانی کے ہمیں دوسرا ایڈیشن چھاپنا پڑا جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسی قسم کا اسی میں لکھا ہوا۔

امرت پان حصہ دوم

بھی ساتھ ہی طبع کرانا ضروری سمجھا گیا اس کے مصنف بھی شرماں لالہ خوشحال چند جی خورسند ایڈیٹر آریہ گزٹ ہیں۔ حصہ دوم کے لئے جو زیر طبع ہے۔ ابھی سے آڈر بھیج دیویں۔ کہ یہ امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ یہ چھپنے کے ساتھ ہی ہاتھوں ہاتھ نکل جاویگا۔

یہ اور ہر قسم کی اور سماجک پستکیں ملنے کا پتہ

لاجپت رائے پرتھوی راج شانتی تاجران کتب لاہور


فخر قوم شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے کی بہترین
فسانۂ غم باتصویر
لالہ لاجپت رائے کی ایام جلاوطنی کی
تصنیف۔ ملک بھائی مختصر لیکچر تاریخ ۱۲ ر
بھارت جننی کی آخری ہچکی
بھارت کی موجودہ افسوسناک حالت پر جسے شیر پنجاب
لالہ لاجپت رائے نے طبع کیا۔ اس کا
مطالعہ دلچسپی اور واقفیت کا باعث ہے ضرور
منگوائیں قیمت صرف ۲ ر
سیواجی مرہٹہ
بہادر قابل فخر مرہٹہ سردار کے حالات
زندگی باتصویر قیمت ۱۲
ملنے کا پتہ
لاجپت رائے پرتھوی راج ساہنی تاجران